هو الحلیم الخبیر

الحمد للہ کہ آخری عمر کی یادگار عالم باعمل صوفی بےمثیل عارف معارف
خداد انی مولانا الحاج الحافظ مولوی محمد قاسم صاحب صدیقی نانوتوی رح

المسمّی بہ

جمال قاسمی

واسم تاریخی

آفتاب ضیا ۱۲۹۵

بتصحیح و ترتیب جناب مولوی سید محمد جمال الدین صاحب علوی

باہتمام مولوی حافظ محمد عبد الاحد صاحب سلمہ

در مطبع مجتبائی واقع دہلی ۱۸۹۲ طبع گردید

اسکی تاریخ (آفتابِ ضیا ۱۲۹۰ھ) اور (جمالِ قاسمی) سے اسے نامزد کرکے اپنے خاتمہ بالخیر کی استدعا کرتا ہون گو
ایسے مضامین اور ایسونکی لڑی کے قابل اپنے آپکو نہین جانتا مگر آخر پتے پہولون کی اور سوت موتیون
اور مصری کے کوزون کے ساتہہ ہاتہون ہاتہہ رہتے ہین عجب نہین کہ ایسونکے نام کے ساتہہ نام رہنے
سے یہہ نامہ سیاہ بہی ہمیشگی کے ساتہہ کا مستحق ہوجاوے اور اتحادِ قدیم کیوجہ سے المرء مع من احب کا مورد بنجاوے

آغازِ نقلِ خطوط مخدوم و مطاع نیاز مندان حامیِ دین سلالۂ خاندانِ نبوۃ جناب مولوی سید محمد جمال الدین
شاہ صاحب مدظلکم یہہ آپ کا نیاز مند محمد قاسم سلام مسنون عرض کرتا ہے اور یہہ عرض کرتا ہے کہ آپ ہی
اول اس تحریر کے باعث ہوئے آپ ہی کو نقل کرانے کے لیئے عرض کرتا ہون - مخدومِ من لفظِ وحدۃ الوجود
یون تو ہر عام و خاص کی زبان پر چڑہا ہوا ہے پر اس ایک لفظ کو دیکھا تو باعتبارِ مذاق اور نیز باعتبارِ فہم
کہین اس لفظ کی کچہہ معنی ہین کہین کچہہ معنی ہین اہلِ حال اور جو اونکی کلام کو بے سوچے تصدیق کرتے ہین وہ
تو وحدۃِ وجود بولتے ہین اور وحدۃِ موجودات مراد لیتے ہین اور جو لوگ الفاظ سے موافق ہدایۃ دلالتِ
وضعی معانی تک پہونچتے ہین اونکے یہ معنی کب پسند آئینگے وہ تو وحدۃِ وجود سے وحدانیۃ صفتِ وجود ہی مراد لینگے
وحدۃِ موجودات یعنی موصوفات بالوجود ہرگز اس لفظ سے نہین سمجہہ سکتے جب یہ بات ذہن نشین خدامِ
والا مقام ہوچکی تو اب اس نیاز مند کی بہی سنیئے وحدۃِ موجودات تو حال ہی اور وحدۃِ وجود حقیقۃ الحال دل
فقط شہود اور مشاہدہ حالی سے متعلق ہے واقعیۃ سے اوسکو کچھ علاقہ نہین اور اسیلئے اس وحدۃِ وجود کو
اگر وحدۃِ شہود کہیئے تو بجا ہے اور وحدۃِ وجود بمعنی اتحادِ صفۃِ وجود امرِ واقعی خارجی معلوم ہوتا ہے اسکا
مشاہدہ تو ان لوگون کا کام ہے جو مغلوب الحال نہین حال اون پر غالب نہین اور اسیلئے انکو ابن الحال
نہین کہہ سکتے خطابِ ابو الحال انکو مناسب ہے پر براہ استدلال ہمسے خستہ حال بہی اس مضمون تک پہونچ سکتے
ہین اس نارسائی پر اتنی رسائی تو ہمسے گناہ گارونکو بہی حاصل ہے کہ تمام صفات کا پہیلاو عالم مین بطورِ عروض
ہے شرح اس معما کی یہ ہی کہ اتصاف کی کل دو صورتین ہین ایک تو یہ کہ صفۃ اپنی موصوف سے صادر ہو
اور اوسکا موصوف اوسکی حق مین مصدر ہو یعنی صفۃِ مذکورہ موصوف مذکور کی حق مین عطاء غیر نہو بلکہ خانہ زاد ہو
مثلا جیسی مظاہرِ حرارۃِ آتش اور نورِ آفتابِ آتش اور آفتاب کے حق مین صفۃِ خانہ زاد اور اونہین سے
صادر نظر آتے ہین عالم اسباب مین کوئی سبب ایسا نظر نہین آتا جو آفتاب اور آتش کے حق مین اسی طرح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی اہتدی والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمدن المصطفی وعلی آلہ واصحابہ المجتبی اسکے بعد اخلاص آئین
فقیر مسکین محمد جمال الدین دہلوی علوی تجاوز اللہ تعالیٰ عن ذنبہ الجلی و الخفی عرض کرتا ہے کہ طالب علمی
کے ایک مخلص محب بزرگ مشفق برگزیدہ مولوی حافظ حاجی محمد قاسم صاحب صدیقی نانوتوی حنفی چشتی
مرحوم زمانہ کی امام حدیث ہونے کے سوا تصوف مین صوفی صافی فقیر کے نام کے جو خطوط اونکے لکھے
ہوئے تھے اونکی موجودگی کے استغنائی سے بے احتیاطی نے تلف کردیئے اور جو فقیر کی معرفت اکثر خطوط
گئے اسیوجہ سے نقل نہوے آخر سو رسائل ہندسہ ہیئت فلاحت طبیعی جبر و مقابلہ جر ثقیل وغیرہا علوم مین
ایک ایک ورق مین لکھنے کی فرمایش کی بار بار تقریباً مہینے بہر تک مولوی صاحب مرحوم اصرار کئے گئے
کہ ہر رسالہ کی ایک ایک ورق کی قید نہ لگایئے کیونکہ مین قلم کے ہاتھہ سے لاچار ہون فقیر نے اس سبب سے کہ یہہ
یادگار ضرور کم از کم سو جزو سے بڑہ جاویگی تو بوجہ اپنی بے سروسامانی کے چھپنے سے رہ جاویگی قلم کے اختیار کی
رخصت ندی اس باعث یہہ کام ناتمام رہا مدت کے بعد اونکے امراض کی ترقی کی حالت مین وحدۃ الوجود
اور سماع اموات کا اثبات جس کے اظہار سے بمضمون اے حیف باشد این سخن در گوش عام طوطیا در چشم نابینا
کہ گرد عوام سے چہپایا کرتے تھے بشکل خطوط کے ذریعہ سے قلم کو رخصت دیکر لکھوا ہی لیا اور آخر عمر کی اس آخری
تحریر کی کسیکو خبر تک نہوئی ۱۲۹۷ہجری نبوی مین فقیر نے اونکے شاگرد مولوی محمود حسن صاحب
دیوبندی مدرس دیوبند وغیرہ کو اشاعت کی امید پر نقل دیدی وعدہ وفا نہوا بہت انتظار کے بعد فقیر نے
اپنے رسالہ جمال العارفین کے آخر مین اسکے چہپوانے کا وعدہ کر لیا تہا سو بفضلہ تعالیٰ اب اوسے پورا کرتا ہون

کیسکے حساب سی ہین اور کیسکی حساب سی بسیار ہوجاتی ہی یہان بہی تعدد اعتباری ہے جو باوجود وحدۃ صادر
یہہ تعدد ہی الحاصل بشرط عقل سلیم یہہ بات ضروری التسلیم ہی کہ وصف صادر واحد ہوگا تو مصدر بہی واحد ہی ہوگا
ہان خلق متعدد و احد حقیقی سے اسی طرح متصور ہی جیسی ایک آفتاب سے موافق اشکال مختلفہ روشندانون
اور صحن خانون کی دہوپ کی شکلین پیدا ہوجاتی ہین سو صدور کو خلق پر قیاس کرنا اپنی غلطی ہی صدور مین
اول اوسی شئی کا وجود ہوتا ہی جو صادر ہوتی ہے اور وقت صدور فقط اوسکا ظہور ہوتا ہے اور غیر ونکو
عطا کرانا اسپر موقوف ہوتا ہی اور خلق یعنی پیدا کرنے مین اول عدم ہوتا ہے اوسکی بعد وجود کی نوبۃ آتی ہے
ورنہ پیدا کرنے کی ہی کیا ضرورۃ ہتی باقی مثال درکار ہو تو نور آفتاب تو آفتاب سی صادر ہے اسیلئی اول
آفتاب مین تسلیم کرنا ضرور ہی اور اشکال مذکورہ کو آفتاب سی صادر نہین کہہ سکتے ورنہ اول آفتاب
مین اون سب کا ہونا ضرور تہا ہان آفتاب کے باعث اشکال مذکورہ پیدا ہوجاتی ہین رہی یہ بات کہ اگر
یہی بات ہی تو پہر تکثر صفات باری کی کیا صورۃ ہی تو اسکا جواب یہہ ہے کہ صفات باری سب باہم مترتب ہین
متساوی المراتب نہین چنانچہ وجود پر تمام صفات کا توقف بدیہی ہے ادہر علم پر ارادہ کا تعلق موقوف اور
قدرۃ و تکوین کا تعلق ارادہ پر موقوف اور ظاہر ہے یہہ توقف اوسی ترتیب کا ثمرہ ہے اگر باہم ترتیب وجودی
نہین تو اس توقف کی ضرورۃ کیا تہی ہان اگر یون کہئے کہ جو صفات موقوف علیہا ہین وہ مصدر ہین اور
جو صفات اون پر موقوف ہین وہ اونسی صادر ہین تو البتہ یہ توقف بہی ضروری ہوگا یعنی جب ایک صفۃ
دوسری صفۃ کی حق مین ایسی طرح علۃ وجود ہوئی جیسی جسم سطح کی حق مین تو جیسی سطح کا تعلق کسی چیز کے
ساتہہ بلا تعلق جسم ممکن نہین ایسی ہی تعلق صفۃ معلولی بے تعلق اوس صفۃ کی جو علۃ ہی ممکن نہوگا سو ہم علۃ
اوسیکو کہتی جو مصدر ہو بالجملہ صفات باہم مترتب ہین اور اسیلئی ایکدوسری کی حق مین مصدر ہی پر ذات باری
خود بلا واسطہ مصدر صفۃ واحدہ وجود ہی یہ صفۃ بیواسطہ اور سوا اوسکی اور صفات بواسطہ بطور مذکور خدا کے
حق مین خانہ زاد ہین اور سوا اوسکی اور جہان کہین یہ صفات جلوہ افروز ہین وہ خدا ہی کی عطا ہی بالجملہ مصدر
وصف تو ایک ہی ہوتا ہی پر معروض کثیر اونہین کی کثرۃ صفات کی پہیلاو کی حق مین علت ہے اور اسوجہ سی صفات
مین وحدۃ ہی اور موصوفات مین تعدد اور کثرۃ اور اسکی ظاہر مثال جس سی وحدۃ صفۃ اور کثرۃ موصوفات عیان
ہوجائے کشتی کی چال مین سے نکل سکتی ہی یعنی کشتی اگر متحرک ہو تو بالبداہۃ کشتی اور چیز ہی اور کشتی نشین اور چیز

واسطہ حصول نور وحرارة ہوا جیسی آفتاب و آتش زمین و آب گرم وغیرہما کی حق مین واسطہ حصول نور وحرارة
ہو جاتی ہین دوسری یہ صورة ہی کہ صفة اپنی موصوف پر خارج سے اگر واقع ہوئی ہو وہ صفة اوس موصوف کی حق
مین صفة خانہ زاد نہو بلکہ عطاء غیر ہو اس قسم کو عرض کہیئے تو بجا ہے اور اس وقوع صفة کو عروض کہیئے تو زیبا ہے
اور مینے جو کچھ عرض کیا تھا کہ صفات کا پہلا وعروض سے ہوتا ہے اوس عروض سے یہی عروض مراد تھا
اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مصدر وصفت تو ایک ہی ہوتا ہے اور اوسیکو موصوف بالذات اور موصوف اولی
اور موصوف حقیقی بھی کہنا چاہیئے اگر اوسکی وحدة ضروری نہو تو خدا کی واحدانیتہ بھی ضروری نہین ہو سکتی
مطلب یہ ہی کہ خدا اوس ذات پاک کو کہتی ہین کہ خود مصدر وجود ہو اور سوا اوسکے اور وں کا وجود اوسکے
عطاء ہو اوس سے صادر ہو کر اوروں پر واقع ہوا ہو سو اگر مصدر وصف کی وحدة بحیثیت مصدریتہ ضروری
نہو اکری اور مقتضای ذات مصدر وحدة نہو تو خدا کی وحدانیتہ بھی ذاتی اور ضروری نہو گی اگر ہو گی تو کسی
علت خارجہ کی باعث یہ وحدة اور وحدانیتہ ہو گی اور ظاہر ہی کہ جو وصف کسی علت خارجہ کی باعث ہوا کرتا ہے
وہ وصف موصوف کی حق مین وصف ذاتی یعنی مقتضای ذات نہین ہوتا ورنہ علت خارجہ کی ضرورت ہی کیون
ہوتی بلکہ ایسا وصف بسا اوقات معرض زوال مین رہتا ہے یہی وجہ ہی کہ حرارة آب گرم جو علت خارجہ
یعنی آتش کی بدولة اور نور زمین جو علت خارجہ یعنی آفتاب کی بدولة حاصل ہوتا ہے اکثر زائل ہو جاتا ہے غرض قیام
وصف ایسی صورة مین تا قیام علة خارجہ ہوتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ مصدر وصف اور موصوف
حقیقی وہ علة خارجہ ہوتی ہے سو وحدانیتہ مصدر وجود یعنی ذات پاک باریتعالی اگر مقتضای ذات باری نہو
تو پھر یہ وحدانیتہ کسی اور علت فیض ہو گا اور وہی موصوف حقیقی بالوحدانیتہ ہو گی خدا کی وحدانیتہ حقیقی
اور ذاتی نہو گی علاوہ بریں ایک وصف کی لئے متعدد مصدر یعنی مذکور ہو سکین تو اونکا تعدد ایک حرف غلط ہو جائے
آخر اسقدر تو بدیہی ہے کہ جب صدور مانا تو اول صادر کو مصدر مین ماننا پڑیگا پھر جب ایک صادر ہی اور دو
مصدر ہین تو دو حال سے خالی نہین یا تو وہ دونون وصف صادر کی لئے ایسی ہین جیسا پانی کا منبع پانی
کے لیئے یعنی وہ دونون فقط گذرگاہ وصف مذکور ہین وصف مذکور کہین اور سے آتا ہی اور ان دونون مین کو
نکل کر باہر چلا جاتا ہے اس صورة مین تو وہ دونون مصدر حقیقی نہوئی کیونکہ اس صورت مین وصف مذکور اونکی
حق مین عطاء غیر ہوا خانہ زاد نہوا دوسرا یہ کہنا پڑیگا کہ ان دونون مین تعدد حقیقی نہین بلکہ جیسا شئی واحد

توسط تو مثلِ توسطِ رنگریز جو کپڑونکی رنگنی کی وقت ہوتا ہی عادی ہی ضروری نہین اگر کپڑا ہوا کے باعث خُم نیل مین گرجائے تب بہی وہی بات ہی ایسے ہی حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ مین بہی وہی بات ہتی جو اور آدمیون مین ہوتی ہی اور خدا کا توسط ایسا ہی جیسا خود رنگ کا توسط سفید کپڑے کی رنگین ہونے مین الغرض یہ توسط علتِ حقیقی ہی جسکو اصطلاح اہل معقول مین واسطہ فی العروض کہتے ہین اور وہ توسط علتِ مجازی ہی جسکو اونکی اصطلاح مین واسطہ فی الثبوت کہتے ہین اور ظاہر ہی کہ علتِ حقیقی اور اوسکی معلول مین ایسا قرب ہوتا ہی جو نور مین اور دہوپ مین اور جسم مین اور سطح مین جیسے نور اور دہوپ اور جسم اور سطح مین بوجہ شدتِ قرب اور کمالِ اتصال کسی اور چیز کی بیچ مین گنجایش نہین ہوتی ایسے ہی وجود باری اور موجوداتِ ممکنہ مین بوجہ کمالِ قرب کچہ فاصلہ نہین ہوتا بلکہ جیسے باینوجہ کہ دہوپ اور سطح ایک انتہا، نور وجسم ہی اور اسوجہ سے ان دونون کا تعقل اون دونون کی تعقل پر موقوف ہی یعنی پہلے اون کا تعقل ہولے جب کہین انکا تعقل ہو ایسے ہی حقایق ممکنہ موجودہ ایک انتہا، وجود مین اور اسوجہ سے اون کا تعقل اوسکی تعقل پر موقوف اسکے اول اوسکا تعقل اور تصور ہولے جب کہین انکا تعقل اور تصور ہو مگر جب یہ ہے تو پہر اگر فرض کرو دہوپ کو عقل عنایت ہو اور وہ اپنی تعقل کی درپے ہو تو اوسکے لئے ہی اول نور کی تعقل کی ضرورت ہو گی پہر اوسکے بعد اپنا تعقل نصیب ہو گا اور اسوجہ سے یون کہنا پڑیگا کہ راہِ علم وتعقل وتصور مین نور مذکور دہوپ سے بنسبتہ دہوپ قریب ہے کیونکہ اول آتا ہے اور خود دہوپ بنسبتہ نور اپنے آپ سے دور ایسے ہی بوجہ مذکور وجودِ باری حقایقِ ممکنہ سے بنسبتہ حقایقِ ممکنہ نزدیک ہی اور اسیلئے اگر یون کہئے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید تو بجا ہی غرض یہہ قرب وس قرب سے جو والدین کو نصیب ہوا ہی کہین بڑہ کر جب وہ قرب موجب محبتہ ہی تو یہ قرب بدرجۂ اولیٰ موجب محبتہ ہو گا الحاصل تمام وجوہ محبتہ خدا مین موجود اور پہر ہر وجہ بوجہ اتم اور وںین اول تو تمام وجوہ موجود نہین اور جو کچہ ہے بوجہ اتم نہین اسلئے اگر نوبتِ تعلق محبت خدا کے ساتہ آئی تو نہایتہ شدید ہو گی اور پہر بوجہ قرب مذکور حجاب کی کوئی صورۃ نہین یعنی جیسے دہوپ اور نور مین اور سطح اور جسم حجاب کی کوئی صورۃ نہین ایسے ہی حقایق ممکنہ موجودہ فی الخارج اور وجودِ باری مین حجاب کی کوئی صورۃ نہین اسلئے یہ بہی احتمال نہین کہ کسیطرح اس محبتہ پر نظر اوس سے ٹل جائے پہر اس صورۃ مین اگر بوجہ غلبۂ محبتہ اس قسم کی بات کسی سے سرزد ہو جاے جسکی طرف یہ شعر مشیر ہے

پہراون مین سے بھی مین اور ہون اور تم اور زید اور ہی اور عمرو اور مگر باینہمہ یہہ بدیہی ہے کہ حرکت ایک ہی ہے
غرض صفت ایک ہی اور موصوف متعدد اتنی بات ہی کہ صفتِ حرکت ایک طرف حقیقی ہی اور دوسری طرف
مجازی ایک طرف سی صادر ہی اور دوسری طرف وہی واقع یہی وجہ ہے کہ کشتی نشین حرکتِ سکون سرعۃ بطوء
جہتہ حرکۃ استقامتہ و استدارۃ حرکتِ وقت و زمان حرکۃ مین اوسکی تابع ہین اگر اوسکی طرف سے یہہ وقوع اور یہ عطا
نہوتی تو یہہ اتباع بھی نہوتا استقلال ہوتا سو یہی صورۃ وجود اور صفاتِ باقیہ مین سمجہہ لیجئے اس تقریرِ مختصر سے وحدۃِ
وجود بمعنی وحدۃِ صفتِ وجود بہی واضح ہو گئی اور یہہ بھی واضح ہو گیا کہ جیسی باوجودِ وحدۃ حرکۃ متحرک جدی جدے
ہین کشتی جدی اور کشتی نشین جدے اور پہر کشتی نشین بھی باہم ایک نہین ہین جدے جدے ہین ایسی ہی واجب
الوجود جدا ہے اور ممکن الوجود جدا ہے اور پہر اون مین سے ہی مین اور ہون اور تم اور اور یہہ نہئے تو کیا کہئے
تمام ہدایتین غلط ہو جاین اور تمام ہدایتین غلط ہو جائین ہان غلبۂ محبتِ خداوندی مین اگر یہ سب کارخانہ ایک
نظر آئی تو دور نہین یرقان کی وقت تمام رنگ ہمرنگ نظر آتی ہین اور سبز سُرخ عینک لگا لیجئے تو سب رنگ
ایک رنگ ہو جاتی ہین وجہ اس وحدۃ شہود کی بجز اسکی اور کیا ہی کہ قوۃِ باصرہ اجزاء صفراوی اور عینک
مذکور مین کو ہو کر نکلتی ہی اور اسلئی اونکا رنگ قوۃ باصرہ پر عارض ہو جاتا ہی سو اگر کسیکی محبتہ دلمین ہو تو
اوسکی قوۃ دراکہ بہی جب کسی چیز پر واقع ہو گی تو لاجرم اوسکی قوۃِ دراکہ کو اوسکی محبوب مین سے اسیطرح گذار ہو گا
جیسی قوۃ باصرہ کو اجزاء صفراوی اور عینک مین کو گذار ہوتا ہے غرض جو چیز دل مین ہو گی وہ بالضرور نسبتہ
قوۃِ ادراکیہ اوران سے ورے ہو گی اور اسلئی اورون کی راہ مین واقع ہو گی اور وقت گذار قوۃِ ادراکیہ
اوس محبوب کی شکل جو دل مین ہی قوۃِ ادراکیہ پر عارض ہو جائے گی اور اسیلئے جس چیز پر قوۃِ ادراکیہ واقع
ہو گی اوس محبوب کی شکل اوس چیز مین نظر آئے گی مگر ایسی محبتہ اور کسی محبوب کے ساتہ ممکن ہو کہ نہو پر خدا کے
ساتہہ ضرور ممکن ہی اول تو جتنی وجوہ محبتہ ہین سب اوسمین ہو جود جمال کمال احسان قرابتہ مگر قرابتہ کی یہہ
معنی نہین کہ معاذ اللہ بوسیلۂ توالد و تناسل رشتۂ موالد ہے بلکہ یہہ مطلب ہے کہ بدلالۃ نحن اقرب الیہ من
حبل الورید اوسکو قرب حاصل ہی سو جب یہ قربِ انتساب جو بوجہ توسطِ وجود و سببِ پیدایش ماباپ کو
اور بنی نوع سے زیادہ حاصل ہی اور سوا اونکے اور اقرباء کو اونکے واسطے سے بالواسطہ یہ قرب حاصل ہی اور
اسوجہ سے باہم علاقۂ محبتہ ضرور ہی تو وہ قرب جو خدا کو حاصل ہی وہ تو بدرجہ اولی موجب محبتہ ہو گا کیونکہ ماباپ کا

سماع متحقق ہوجائیگا علاوہ برین طرفین مین بڑے بڑے لے کا بر اگر ایک طرف مین بالکل ہو رہیئے تو کسی نہ کسی طرف والون کو برا سمجھنا پڑیگا اسلیئے اہلِ اسلام کو یہہ ضروری ہی کہ ایسی مسائل مین خواہ مخواہ ایسی پکی نہو بیٹھین کہ دوسری طرف کو بالکل باطل سمجھہ لین جب یہ بات گوش گذارِ خدام ہو چکی تو اب آگی سنیئے اپنی خیالِ نارسا کی موافق سمعِ اموات حدِ اسماع سے تو برے ہی پر استماعِ اموات ممکن نہی یہی وجہ معلوم ہوتی ہی کہ خدا نے توانک لاتسمع الموتی فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اسکی سلامِ اہلِ قبور مسنون کردیا اگر استماع ممکن نہین تو پھر یہ بیہودہ حرکت یعنی سلامِ اہلِ قبور ملحدون کی زبان درازی کی لیئے کافی ہی تفصیل اس اجمال کی یہ ہی کہ کبھی آواز میں ایسی قوۃ ہوتی ہی کہ بی تکلف ہر صاحبِ سمع اوسکو سنلیتا ہے اس صورت مین تو سمعِ سامعین حدِ اسماع مین ہوتا ہی اور کبھی بوجہ ضعفِ آوازِ متکلم سننی والون کو سر جھکانے اور کان لگانیکی ضرورۃ پڑتی ہی اس صورۃ مین اصل مین تو سمعِ سامعین حدِ اسماع سے خارج ہوتا ہے پر بعد سر جھکانی اور کان لگانی کی حدِ اسماع مین آجاتا ہی اسلیئے اسکو استماع کہئے اور نفیِ اسماع کیجیئے تو بجا ہے کیونکہ بوجہ ضعفِ آواز عدمِ اسماع تو ظاہر ہے مگر جب سامعین کی طرف سے اہتمام ہو تو اونکی طرف سے اخذ او رفعل ہوا اور ظاہر ہی کہ استماع مین بنسبتِ سماع ایک مضمونِ اخذ ہوتا ہی چنانچہ خواصِ ابواب کی جاننی والی اور محاوراتِ عرب کے پہچاننے والی ان فرقونکو خوب جانتی ہین یہہ مقدمہ تو معروض ہو چکا اب آگی چلیئے روح کی حیات اور صفاتِ حیات یعنی وہ صفات جو حیات پر موقوف ہین مثل سمع و بصر اصلی اور ذاتی ہین یعنی یہہ صفات روح سی صادر ہوتی ہین اور عالمِ اسباب مین اوسکی حق مین خانہ زاد ہین اور جسم کی حیات اور صفاتِ مذکورہ عرضی ہین یعنی عطارِ روح ہین روح سی صادر ہوکر اوسپر واقع ہوتی ہین اتنا فرق ہی کہ حیات جو تمام صفاتِ روحانی کی اصل ہے تمام جسم کو محیط ہوتی ہے اور قوۃِ باصرہ اور قوۃِ سامعہ وغیرہ قوای خاصّہ اعضای مخصوصہ کی ساتھ مخصوص ہوتی ہین مگر ہرچہ باداباد جو کچھہ ہی وہ فیضِ روحانی ہی یہی وجہ ہی جب تک تعلقِ روحانی ہی جبھی تک حیاتِ جسمانی اور صفاتِ روحانی کی بہی جسم مین جلوہ گری ہے ورنہ جیسی قبلِ تعلق کچھہ نتھا ایسی ہی بعد انفکاکِ تعلق بھی کچھہ نہین رہتا البتہ قبل حدوثِ تعلق اور بعد انفکاکِ تعلق مین اتنا فرق ہوتا ہی جیسی قبلِ محبۃ اور بعدِ فراق مین فرق ہوتا ہے یعنی قبل تعلقِ محبۃ محبوب سے کچھہ تعلق نہین ہوتا اور جب تعلقِ محبۃ ہو چکا تو پھر بعدِ فراق ہر دم محبوب کا دہیان رہتا ہے اور اسیلئے اسوقت جتنی محبوب کی خبر ہوتی رہیگی اوتنی قبلِ تعلقِ محبۃ ہرگز نہ تھی

سمایا ہی تو میری نظرون کی آگے ٭ جدہر دیکھتا ہون اودہر تو ہی تو ہی ٭ تو کیا عجب ہے ایسی گرفت اونہین کو
زیب دیتی ہی جو غلبہ حال یعنی غلبۂ محبت سی آگی نکل گئی ہین اور حال اور محبت پر غالب آ گئی ہین ہمسی معذرون
کو یہہ طعن و تشنیع جو کبھی کیا کرتی ہین زیبا نہین خطا ہے مگر ہماری صواب سی بہتر این خطا از صد صواب
اولیٰ تراست الحاصل وحدۃِ موجودات ایک امر مشہودی ہی امر واقعی نہین پر وحدۃ وجود امر واقعی ہے
ورنہ مثل خدا ہر موجود خدا ہو یعنی جب صفتِ وجود ممکنات کو فیضِ خدا سمجھے اور اوسکی طرف سی صدور اور انکی
طرف وقوع نمائیے تو ہر ایک بنی اپنی وجود مین مستقل ہو گا اور ہر ایک غنی اور مثلِ خدا خدا سے مستغنی چنانچہ
ظاہر ہے ـ طبیعت تہاک گئی یہہ آپ ہی کا لحاظ تھا جو اس ناتوانی مین کچھہ اوپر چار ورق بعد ظہر کل لکھے تھے
اور باقی آج لکھے پسند آئینگی تو یون امید نہین کہ مین ایک تو کم فہم دوسرے خستہ جان اور اودہر آپکی
نظر مین بڑے بڑے کاملون کے کلام اسلئے یہہ استدعا ہے کہ تعمیلِ ارشاد تو ہو چکی اب اس نامہ سیاہ کو
بعد ملاحظہ آپ واپس فرماوین اگر بوجہ حسنِ اخلاق یا حسنِ ظن رکھتا ہی مد نظر ہو تو جہان مینے آپ کی
خاطر اس ناتوانی مین یہہ سخت جانی کی ہے آپ میری خاطر نقل کی تکلیف اوٹہائین اور بعد نقل عنایت
فرمائین ا العبد محمد قاسم دوم ذیقعدہ ۱۲۹۵ہجری روز سہ شنبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم مخدوم و
مخدوم زادۂ آفاق جناب مولوی سید محمد جمال الدین شاہ صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ یہ آپ کا نیاز مند محمد قاسم اول
سلام مسنون عرض کرتا ہے اور پہر یہہ عرض کرتا ہی چند روز ہوئی آپ کا عنایت نامہ میری سرفرازی کا باعث ہوا
اوسکا شکریہ ادا کرتا ہون اور اس تقصیر تاخیر جواب کا عذر عرض کرتا ہون انشاء اللہ تعالیٰ تا مقدور فی الفور
جواب نامہ عرض کرتا جو ایسا سوال بن پڑتا یا نہ بن پڑتا پر کیا کرون اون دنون یہہ خستہ جان مبتلائے بلا تہا
ڈاڑہ کے درد نے ایسا بے تاب و توان کر رکہا تہا کہ کیا عرض کرون اوسکی بعد ناتوانی نی کچھہ ہونے زیادہ کچھہ
کم ہوئی تہی تو کچھہ کچھہ اعضا شکنی اور خفیف سا بخار دمساز رہنے لگا ہمت تو آج ہی جواب دیتی ہے مگر کب تک
یہ انتظار کیجئے کہ طاقت آئے اور نقاہت جائے اور مین جواب لکہون اپنی معلومات ہی کتنی ہین جسکے واسطی اتنا
انتظار کیجئے اور آپسے انتظار کرائیے جو کچھہ ہے ابھی عرض کیے دیتا ہون ـ سماع اموات کے قصہ مین اول تو
یہہ معروض ہے کہ یہہ امر قدیم سے مختلف فیہ ہے دوسری ضروریات دینی اور عقائد ضروریہ مین سی نہین
اسکی تنقیح قرار واقعی تو بعد مرگ ہی معلوم ہوگی اگر بعد مرگ ہمنی اندروں کا سلام و پیام سن لیا تو سماع نہین تو عدم

بالبداہتہ ہبر شاہد ہے کہ زمین بہی واسطہ ایصالِ آواز ہے البتہ وہ بات نہین جو ہوا مین نظر آتی ہے
القصہ زمین بہی آواز کو پہونچاتی ہے مگر بہت کم ادہر بعدِ مرگ روح کو جسم خاکی سے بہت کم علاقہ رہگیا
اور جو کچہہ تہا ہی تو جسم مذکور کی شکل و صورۃ کے بگڑ جانے نے اوسکو اور بہی گہٹا دیا یعنی بعدِ مرگ وہ
علاقہ تسلط تو باقی نرہا یہی وجہ ہے کہ بعد مرگ جسم و اعضای جسمانی سے روح کچہہ کام نہین لے سکتی
البتہ علاقہ محبتہ باقی تہا سو شکل و صورۃ کے بگڑ جانے نے جو سببِ عظیم نفرۃ ہے اوس محبتہ کو اور بہی
کم کر دیا کیونکہ نفرۃ ہوئی تو وہ رغبتہ کہان جو محبتہ کو لازم ہے الغرض ادہر تو روح کو جسم سے وہ تعلق
ضعیف ہو گیا جو سرمایۂ ابصار و سماع تہا ادہر واسطۂ ایصال بعدِ دفن آب خاک ہے جسمین خفیف سی لچک
اور قلیل سا سیلان ہے اسلئی خواہ مخواہ یہی کہنا پڑیگا کہ حدِ قوۃِ اسماع متکلم سے قوۃِ سامعۂ اموات جو بالفعل
فقط روح کے ساتہ قایم ہے اور جسم سے چندان تعلق نہین رکہتی ہے پر بالکلیہ تعلق بہی موجود ہے گو
ضعیف ہے اور واسطۂ وصولِ آواز مین سیلان اور لچک بہی موجود ہے گو خفیف ہے اسلئی اگر
اودہر سے بوجہ توجہ و اقتراب جو محبتِ مذکورہ کو لازم ہے تلقیِ آواز یعنی استماع ہو تو بعید نہین اسلئی
مناسب یون ہے کہ قبرستان مین گذرے تو سلام سے دریغ نکرے اور بن پڑے تو ہدیہ مناسبِ وقت
بہی پیش کرے ورنہ سخت بیمروتی ہے جو یون آنکہین چرائے چلا جائے مگر چونکہ محتاج اور مستغنی محتاج الیہ کا
پکارنا جدا جدا ہوتا ہے اور عوام اپنے خیال خام مین اولیاء کو قادر اور متصرف یعنی غنی محتاج الیہ سمجہتے
ہین تو اگر اس زمانہ مین اس امکان استماع کا بہی چرچا کیا جائے تو اس عمل سے نفع دینی تو کچہہ متصور
نہین البتہ قوۃِ مضامین شرکیہ کا گمان غالب ہے اسلئی یون مناسب ہے کہ عوام کو فقط طریقہ
مسنونہ زیارۃِ قبور تعلیم کیا جائے اور اس سے زیادہ کی اطلاع ہونے دی ورنہ اس علم امکان سے
ترقی مدارج تو معلوم کیونکہ ضروریات جینے مین سے نہین البتہ مواخذہ نقصانِ مذکور کا احتمال ہے جب
یہ سب باتین نذرِ خدام ہو چکین تو اس ذیل مین وہ مضمون بہی عرض کیئے دیتا ہون جو فی الجملہ قابل
کے مناسب ہے انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو بعدِ مرگ بہی وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے
جو قبل مرگ تہا یہی وجہ ہی کہ اونکے اجساد مثل اجسام احیاء ہوتے پہٹتے نہین چنانچہ احادیث مین موجود ہے
اور یہی وجہ ہے کہ اونکی ازواج مثل ازواج احیاء اوروں سے نکاح کرنیکا اختیار نہین رکہتی اور یہی وجہ ہے

وجہ اسکی وہی ہی کہ اب بطور استماع مذکور ادہر سے تلقی اور اخذ رہتا ہی وجہ اس تشابہ کی تو اسی سی ظاہر ہے
کہ روح اصل مین ایک عالم علوی کا نور پاک اور جسم اس عالم سفلی کی ایک مشت خاک اور ظاہر ہے کہ چہ نسبت
خاک را با عالم پاک پہر جو موت یعنی فراق جسم خاکی ناگوار ہی تو وجہ اسکی بجز اسکی اور کیا ہی کہ بوجہ کمال انقیاد و
کمال انتفاع وطول صحبت روح کو جسم خاکی سی محبتہ پیدا ہو جاتی ہی کمال انقیاد تو اس سی زیادہ اور کیا ہوگا کہ
روح کی اشارون پر کام کرتا ہی اور بی سوچی سمجھی اطاعۃ مین سرگرم رہتا ہی اور کمال انتفاع اس سے زیادہ اور
کیا ہوگا کہ تمام قواء روحانی بواسطۂ اعضاء جسمانی کام کرتے ہین وہ نہون تو یہ سب بیکار ہین باقی طول صحبتہ
تو خود ظاہر ہی اور اگر طول صحبتہ بعضی افراد مین نہو تو وہی دو وجہ کافی ہین اس صورۃ مین بعد فراق توجہ
الی الجسم ضروری ہی اور اسلیئے اوسکی احوال کی تلقی لقدر امکان قریب الوقوع جب یہ مقدمہ بہی ذہن نشین
ہو چکا تو اصل مطلب سنیئے حسب تحقیق اہل عقل سماع احیاء بذریعہ ہوا ہی اور کیون نہو کوئی دیوار اور چہت
اگر بیچ مین حائل ہو جاتی ہی تو بسا اوقات باوجود قرب آواز نہین پہونچتی اور یون دور دور تک جاتی ہے
پہر جدہر کی ہوا ہوتی ہے ادہر کو زیادہ جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ واسطہ وصول آواز متکلم
اور موصل آواز یہ ہوا ہے مگر چونکہ بظاہر کیفیت وصول یہہ ہوتی ہے کہ آواز جو از قسم کیف ہی بمجرد صدور
ہوا مین آجاتی ہے اور جیسے پانی مین ڈہیلا مارنے سے چارون طرف لہرین اوٹہتی ہوئی چلی جاتی ہین
ایسے ہی بمجرد صدور آواز ہوا مین وہ کیفیتہ آکر چارون طرف کو پہیلجاتی ہے اور اسوجہ سے گوش
سامع تک پہونچ جاتی ہے اسلیئے یہہ یقین ہوتا ہے کہ ہوا کی یہہ لچک کیفیتہ آواز کو یون اوٹہاتے
پہرتی ہے اگر یہہ لچک ہوا مین نہوتی تو یہ پرواز آواز بہی یون نہوا کرتی مگر یہہ ٹہری تو پہر یہ بہی
یقینی ہے کہ آب وخاک بہی اپنی اپنی لچک کی موافق آواز کو پہونچا سکتے ہین کیونکہ ان دونون مین
بہی یہ لچک موجود ہے بہت نہین تہوڑی ہی سہی پانی کا حال تو خود ظاہر ہے رہی یہ خاک اوسکی
لچک درختون کی نکلنے اور کہونٹون کے گاڑنے سے آشکارا ہے اگر زمین مین قدر قلیل مضمون
سیلان یعنی وہ لچک نہین ہے تو موٹی موٹی جڑون اور بڑے بڑے کہونٹون کی گنجایش کی پہر
کیا صورۃ ہے اسلیئے یہ ضرور ہے کہ یہ دونون چیزین ہی آواز کو تہوڑا بہت پہونچایا کرین ادہر اس
خیال کو اپنے ادراک کی مطابق پایا بگہیون کی کہڑ کہڑ کی آواز زمین مین خود محسوس ہوتی ہے یہ جیسا

رکہدینے کے بعد چراغ کے شعلہ مین نور اینتہ بڑہجاتی اور سکتہ مین لیسا ہوجاتا ہے جیسے فرض کیجئے چراغ
ٹمٹمانے لگے اور گل ہونیکو ہو بہرحال ارواحِ انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتہ تعلق رہتا ہے
بلکہ کیفیتِ حیاۃ بعد بوجہ اجتماع مدتشاغ رہی قوۃ آجاتی ہے اور مثل نورِ چراغ وظلمتِ ظرف محیط حیات وموت
دونون مجتمع ہوجاتے ہین اور اس سے ہی روشن مثال اجتماع اضداد کی ضرورۃ ہو توآبِ گرم کی گرمی
عارضی اور برودۃِ طبعی کو پیش نظر رکہہ کر اپنی اطمینان فرمالیجئے یا ادویۂ حارہ کی برودۃِ خارجی اور ادویۂ
باردہ کی حرارۃِ خارجی پر نظر ڈالیئے اور وہم عمدم استحالۂ اجتماع اضداد کو دل سے نکالیئے شرح اسکی یہ ہے
کہ آبِ گرم کی برودۃِ طبعی وقتِ حرارۃ ہی موجود ہے ہی سبب ہے کہ آگ کو بجہارہی ہے اگر وہ برودۃ نہی
تو یہ آتش کشی کیون ہے علیٰ ہذا القیاس ادویہ مین قوت عروض کیفیہ مخالفۂ طبیعۃ اگر طبیعتِ اصلی باقی نہین رہتی
تو یہ تاثیر کیون ہے القصہ اگر ایک ضد طبیعی اور ذاتی ہو اور دوسری خارجی عارضی تو پہر یہ اجتماع
محال نہین بلکہ ممکن کثیر الوقوع ورنہ کارخانہ عروض بالکل باطل ہوجائے عروضِ اوصاف وہین ہوتا ہے جہان
اون اوصاف کی اضداد ہوتی ہین زمین مین ظلمتِ اصلی ہی ہو تو اوسپر عارض ہوتا ہے ہان یہ محال ہے کہ
دنون وصفِ متضاد عارضی یا طبعی ہون اور پہر مجتمع ہوجائین مگر یہ ہے تو پہر قوۃِ حیات جسکو قوۃِ سامعہ
کی قوۃ بہی لازم ہے انبیاء رہین اس بات کو مقتضی ہے کہ اس قوۃِ تعلق قوۃِ سامعہ سے اوس ضعف
واسطہ کا تدارک ہوجائے اور اونکا سماع بعدِ وفات بہی بدستور باقی رہے اب اگر کسیکو حیاتِ شہداء کا
خیال آئے اور اسوجہ سے کچہہ اور خیال آئے تو اوسکا جواب یہ ہے کہ حیاتِ شہداء اجسام یعنی اجواف
طیرِ خضر کے اعتبار سے ہے چنانچہ حدیثون مین مصرح ہے اور قرآن مین لفظ عند ربہم جو احیاء کے ساتہ ہے اوسطرف
مشیر ہے اور جب حیات شہدا کی یہ کیفیت ہے تو اونکے ازواج واموال اورونکی ازواج واموال کی طرح
بمجرد مرگ اونکے ملک سے نکل جائینگے البتہ ازواج کو نکاح ثانی مین اتنا انتظار کرنا پڑیگا جسمین احتمال
اختلاط نطفہ شوہرِ اول مع شوہرِ ثانی باقی نرہے سو وضعِ حمل مین تو یہ بات ظاہر ہی ہے اور دس دن چار ماہ
مین باین وجہ کہ چار ماہ کے تین چلہ ہوتے ہین اور موافق ارشادِ نبوی تین چلہ کے بعد نفخ روح کی نوبت آتی ہے
اور دس دن مین کسیقدر قوۃِ حرکت آہی جائیگی جب سے حمل ہوگا تو یقینی ہوجائیگا یہ بات یون ٹہیک
ہوجاتی ہے کہ بوجہ ظہور حرکات جو اعلیٰ درجہ کا ظہور ہے حمل کا تیقن ہوگیا تو موافق آیۃ واولات الاحمال

کہ اونکے اموال کو مثل اموالِ احیاء اونکے وارث تقسیم نہین کر سکتے اور اسوجہ سے حدیثِ لانورث کو معارض
آیۃ یوصیکم اللہ اور آیۃ لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا کو معارض آیۃ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا نہین
کہہ سکتے کیونکہ آیۃ یوصیکم اللہ اور آیۃ والذین یتوفون کی مصداق وہ ہین جنکی ارواح کو اونکی ابدان کے ساتھ
وہ تعلق نرہا ہو جو حالتِ حیات مین تہا چنانچہ للرجال نصیب مما ترک الوالدان مین لفظِ ترک اور آیۃ
والذین یتوفون مین مادہ توفی اسپر شاہد ہے علیٰ ہذا القیاس آیۃ ولیخش الذین ترکوا من خلفہم ذریۃ ضعافا
مین لفظِ ترکوا قرینہ مضمون معروض ہے کیونکہ جیسے مضمون توفی جبہی چسپان ہو سکتا ہے جبکہ کوئی چیز
نکال لیجائے اور یہ بات یہان اوسیوقت صحیح ہوتی ہے جب روح کو بدن سے نکال باہر کیجیے کیونکہ
الذین کا مصداق آیۃ والذین یتوفون مین وہی ہے اور نیز وہ نہو تو جسم ہوا اور ظاہر ہے کہ جسم مسور دآفی
وقتِ مرگ نہین ہوتا اسیلیے یہی کہنا پڑتا ہے کہ روح کو ایسے لوگون کی اپنے جسم سے وہ علاقہ نہین رہتا
جو وقتِ حیات تہا ایسے ہی مضمون ترک بہی گرفتاران محبتہ اولاد و اموال کے حق مین جبہی صحیح
ہو سکتا ہے جبکہ اس خاکدانِ سفلی کو چہوڑکر عالمِ علوی کو چلے جائین سو یہ بہی جبہی متصور ہے جبکہ روح
کو وہ تعلق اول نرہے ورنہ وہ ترک نہین بلکہ مثل بندیوان دست و پا بستہ ملاقاتِ اولاد و تصرفات
اموال سے مجبور ہین یہی وجہ ہے کہ قیدیون کی ازواج و اموال اونکے ملک سے خارج نہین ہوتے
اور یہی وجہ ہے کہ سکتہ والے کی ازواج و اموال بدستور اوسکے ملک مین باقی رہتے ہین ان دونون
مین اتنا فرق ہے کہ قیدیون کے اجسام مقید ہوتے ہین ور سکتہ والے کی روح مقید ہوجاتی ہے مگر اوسکا
قیدخانہ یہی جسم خاکی ہوتا ہے اسیلئے وہ پہیلاؤ جو بذریعہ ظہورِ افعالِ اختیاریہ ہوا کرتا ہے اور نورِ آفتاب و
قمر کے پہیلاؤ کے مشابہ ہوتا ہے ایسی طرح بند ہوجاتا ہے جیسے چراغ پر کسی ظرف کے رکھدینے کے وقت
اوسکے نور کا پہیلاؤ بند ہوجاتا ہے سو یہی صورۃ بعینہ انبیاء علیہم السلام کی موت کے سمجھیے اتنا فرق ہے
کہ سکتہ مین سوائے بعض مواقع تمام اعضاء مین سے روح کہنچ لیجاتی ہے اور تمام قوائے روحانی کو مثل قوۃ
سامعہ وقوۃ باصرہ اپنے اپنے مواقع سے کہنچ لیتے ہین اور اسوجہ سے اگر تدبیر مناسب بن نہ پڑے تو
رفتہ رفتہ بالکل کہنچ کر باہر کردیتے ہین اور ارواحِ انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے پر اطراف
و جوانب سے سمٹ آتی ہے اور اسیلئے حیاتِ جسمانی کو نسبتِ سابق ایسی طرح قوۃ ہوجاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے

انبیاء کرام علیہم السلام فقط مال کو چھوڑ دیتے ہین کیونکہ ازواج دینے کے قابل ہی نہین جو چھوڑ دیجئے
بالجملہ انبیاء اموال کو چھوڑ دیتے اور اموات باقی ازواج و اموال دونون کو چھوڑ جاتے ہین چنانچہ وقت
موت اونکی مجبوری اور انبیاء کی خودمختاری جسپر اونکی رضا سے اونکی ازواج کا مقبوض ہونا دلالۃ کرتا ہے
اس فرق پر شاہد ہے اور ظاہر ہے کہ چھوڑ جاتے ہین تو جانے کی ضرورۃ مین چھوڑنا پڑتا ہے ورنہ اصل مین
چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے اور چھوڑ دینے مین دینے کے لیئے باختیار خود چھوڑتے ہین سو اسی فرق کے اظہار
کے لیئے آپ نے یہہ ارشاد فرمایا ماترکناہ صدقۃ تاکہ لفظ صدقۃ چھوڑ دینے پر دلالۃ کرے اور کسیکو چھوڑ جانیکا
وہم نہو جو انجام کار یہ وہم نہو کہ ترک ہے تو ماترک مین آپکا متروکہ بہی داخل ہوگیا اسلیئے یون مناسب ہے کہ موافق ارشاد
یوصیکم اللّٰہ اوسمین بہی میراث جاری ہو کیونکہ چھوڑنا جو مفہوم ترک ہے گو دونون مین مشترک ہے مگر
وہی فرق ہے جو مینے عرض کیا اسیلئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ صدقۃ سے ایک قسم
ترک کو متعین کردیا ایسے ہی لفظ للرجال نصیب و للنساء نصیب سے خدا نے اور ونکے حق مین قسم ثانی
ترک کو معین کردیا علیٰ ہذا القیاس آیۃ ولیخش الذین لو ترکوا خافوا علیہم مین قسم ثانی کی تخصیص فرمادے شرح
اس معمائی یہ ہے کہ خوف اوسیوقت متصور ہے جبکہ بمجبوری چھوڑ کر جایئے اور باختیار خود چھوڑ دیجے تو
کیا خوف ہے جو چیز اور ونکو دے بیٹھتے ہین وہ ضائع ہو یا باقی رہے اپنی بلا سے غرض جس چیز سے خود
بے تعلق ہوجاین وہ رہے یا جائے اوسکا کیا خوف علیٰ ہذا القیاس اموال کو باختیار خود ہم وقت مرگ
چہوڑ دیا کرین توجسکو ہم دیجایا کرین وہ اوسیکا ہے جیسے ایام حیات کی تصرفات مین خدا کو کچھ مزاحمت
نتہی اس صورۃ مین وقت مرگ بہی خدا وند عالم دخل ندیتے مگر یہہ ارشاد اوسی بناء پر ہے کہ اموات اپنے
اموال کو چھوڑ کر جاتے ہین چھوڑ دینا نہین ہے چنانچہ موت کی مجبوری خود اسپر شاہد ہے کہ دل خستہ بدستور
لبریز محبتہ ازواج و اموال و اولاد ہے پھر کیونکر کہدیجے کہ ہم چھوڑ دیتے ہین نہین یہ چھوڑ جانا ہے سو یہہ
چھوڑ جانا اوسیوقت متصور ہو کہ جسم سے اخراج روح ہو اور جس قسم کا اوسکا دخول تھا جسپر یہہ تمام آثار تسلط
یعنی باختیار خود جسم اور اعضاء جسم سے کام لینا دلالۃ کرتا ہے اوسکے مناسب خروج متحقق ہوجائے سو یہہ
بات بدلالۃ فرق احکام مذکورہ اور اموات مین تو ہوتی ہے پر انبیاء مین نہین ہوتی یعنی بقاء حیات کا
انبیاء کرام علیہم السلام کے لیئے ضروری ہونا اور سوا اونکے اور ونکے لیئے ضروری نہونا اور ازواج انبیاء کرام

اجلہن ان یضعن حملہن انتظار وضع حمل کیا جائیگا ورنہ بوجہ عدم حمل بے اندیشہ ہوکر جو جاہو سوکر و غرض ان
دونون آیتون مین جو بظاہر دربارۂ میعادِ عدۃ مختلف معلوم ہوتے ہین اختلاف نہین بلکہ منشا دونون
آیتون کا وہی نطفون کی اختلاط کا بچاؤ ہے اتنا فرق ہے کہ وضع حمل کے بعد خلو رحم کا یقین تہا اور اسلیئے
اختلاط کا احتمال ہی نہا وہان تو بطور قطع یہہ فرمادیا اجلہن ان یضعن حملہن اور دس دن چار ماہ مین
اتنا معلوم ہوجاتا تہا کہ حمل ہے کہ نہین اسلیئے تربص کا ارشاد ہوا جو بمعنی انتظار ہے الحاصل ازواجِ مثل
ازواجِ دیگر اموات اونکے ملک سے نکل جاتے ہین اور مثل ازواجِ دیگر اموات عدۃِ معینہ تک اون کو
ممانعتِ نکاح ہی پر یہہ ممانعت جیسے بوجہ بقاءِ ملک ور اموات نہین بلکہ بوجہ اندیشہ اختلاط نسب ہے
ایسے ہی ازواج شہدا کو بہی اگر ممانعت ہی تو بوجہ بقاء ملک نہین بوجہ اندیشہ اختلاطِ نسب ہے تاکہ
احکام صلۂ و میراث و نکاح وغیرہ مین کچہہ آمد رفت نہ پیش آئے اور موافق ارشاد جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا احکام
مذکورہ مین حقیقۃ الحال معلوم رہے کچہہ اشتباہ نہو اور وجہ تساوی کی جو شہدا اور امواتِ باقیہ مین ملحوظ ہے
وہی ہے کہ اس بدن کے اعتبار سے دونون کی موت برابر ہے یعنی دونون یہاں کے جسم سے بے علاقہ
ہوجاتی ہین بلکہ شہدا کی بے تعلقی کچہہ زیادہ ہو تو عجب نہین کیونکہ اونکو جب نعم البدل عنایۃ ہوگیا تو
اب اس جسم کی محبۃ کیا رہی ہوگی اسلیئے اونکا سماع اور اونکی قبور سے استفاضہ زیادہ تر مستبعد ہی اور اونکی
ازواج و اموال زیادہ تر قابل اجازۃِ غیر مین کیونکہ احتمالِ استماع بوجہ بقاء محبۃ تہا اور امکانِ فیض بہی اوسی
محبۃ اور توجہ پر مبنی تہا اور ازواج و اموال سے قطع امید اغیار اس نظر تہی کہ ازواج تو موافق ارشاد
نساءکم حرث لکم مزرعۂ اولاد ہین اور ظاہر ہے کہ تخم اولاد یعنی نطفۂ والد جو اس مزرعہ مین بویا جاتا ہے
وہ موافق قاعدۂ نباتات اسی جسم سے پیدا ہوتا ہے علی ہذا القیاس اموال جو موافق ارشادِ جعل اللہ لکم
قیاما اور نیز بالبداہتہ بغرضِ حفظِ جسم خاکی یا مرمتہ جسمِ خاکی عنایۃ ہوا ہے اسی بدن کےلیئے ہے سو جیسے
گہوڑا ہے تو گہاس دانہ کا بہی فکر ہے اور وہ نہ ہے تو اِن سے بہی مطلب نہین رہتا ایسے ہی یہ بدن ہے
تو ازواج و اموال سے بہی تعلق ہے اور اس بدن ہی کو چہوڑ گئے تو پہر اوسکے متعلقات سے کیا مطلب
رہگیا اسلیئے یون مناسب ہے کہ یہہ خدا کی نعمتین بیوجہ بیکار نرہین یعنی اموال کو اوسکے وارثون مین تقسیم کردیا
جائے اور ازواج کو اجازۃ ہوجائے کہ وہ اپنا فکر خود کرلین مگر اور لوگ تو سب کو چہوڑ جاتے ہین اور

نقل خط سید احمد خان بانی مذہب نیچری

جناب پیرجی صاحب مخدوم مکرم سلامت بعد سلام مسنون کے یہ عرض ہے کہ بزرگان سہارنپور نے
جو نوازش و دلسوزی میرے حال زار پر کی جسکا ذکر آپنے مجھ سے فرمایا مین دل سے اُنکا شکرگزار ہون
اگر جناب مولوی محمد قاسم صاحب تشریف لاوین تو میری سعادت ہے مین اُنکی کفش برداری کو اپنا
فخر سمجھونگا مگر اسوقت مرزا غالب کا ایک شعر مجھے یاد آیا ہے وھو ہذا ~ حضرت ناصح جو
آئین دیدہ و دل فرش راہ ۔ کوئی مجھکو یہ تو سمجھادو کہ سمجھاوینگے کیا ؛ جناب من میری تمام
تحریرین جنکے سبب مین کافر و مرتد ٹھیرا ہون اور وحدانیت و رسالت کی تصدیق کے
ساتھ کفر جمع ہوا ہے جو میرے نزدیک محالات سے ہے چند اُصول پر مبنی ہین اگر آپ مناسب
سمجھین تو اُن اصولونکو بزرگان سہارنپور کی خدمت مین بھیجدین اگر اُن مین کچھ غلطی ہے
تو بلاشبہ نصیحت ناصح کارگر ہوگی ورنہ ایسا ہو کہ ناصح ہی مجھ سے ہو جاوین اور وہ اصول یہ ہین

اول خدای واحد ذوالجلال ازلی وابدی خالق وصانع تمام کائنات کا ہے ؛

دوم اُسکا کلام اور جسکو کہ اُس نے رسالت پر مبعوث کیا اُسکا کلام ہرگز خلاف حقیقت
اور خلاف واقع نہین ہو سکتا ؛

سوم قرآن مجید بلاشبہ کلام الٰہی ہے کوئی حرف اُسکا نہ خلاف حقیقت ہے اور نہ خلاف واقع ؛

چہارم قرآن مجید کی جسقدر آیات کہ ہمکو بظاہر خلاف حقیقت یا خلاف واقع معلوم ہوتی
ہین دوحال سے خالی نہین یا تو اُن آیات کا مطلب سمجھنے مین ہم سے غلطی ہوئی ہے یا جسکو ہمنے حقیقت
اور واقع سمجھا ہے اُسمین غلطی کی ہے اسکے برخلاف کسی محدث یا مفسر کا قول قابل تسلیم نہین ہے

پنجم جسقدر کلام الٰہی جناب پیغمبر خدا صلعم پر نازل ہوا ہے وہ سب بین الدفتین موجود ہے
ایک حرف بھی اس سے خارج نہین ہے اگر ہو تو کوئی آیت قرآن مجید کی بطور یقین واجب العمل نہین
کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہگئی ہو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے برخلاف ہو
فقط نہ ملنا کسی آیت کا اُسکے عدم وجود کی دلیل نہین ہو سکتا ؛

اصول مذہب نیچری

علیہم السلام کو نکاحِ ثانی کی اجازۃ کا نہونا اور اونکی ازواج کی لئی اس اجازۃ کا ہونا اور اموالِ
انبیاء کرام علیہم السلام مین میراث کا جاری نہونا اور اونکی اموال مین جاری ہونا اسپر شاہد ہے کہ
ارواحِ انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہین ہوتا فقط مثلِ نورِ چراغ اطراف وجوانب سے قبض
کر لیتے ہین یعنی سمیٹ لیتے ہین اور سوا اوسکے اورونکی ارواح کو خارج کر دیتے ہین اور اسلیئے سماعِ انبیاء
کرام علیہم السلام بعدِ وفات زیادہ تر قرینِ قیاس ہے اور اسلیئے اونکی زیارۃ بعدِ وفات بہی ایسی ہی ہے
جیسے ایامِ حیات مین احیاء کی زیارۃ ہوا کرتی ہے اور اسوجہ سے یون نہین کہہ سکتے کہ زیارۃِ نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم مثل زیارۃِ مسجد زیارۃِ مکان ہے اور اسیوجہ سے بحکم لاتشدوا الرحال وہان اس اہتمام سے
جانا ممنوع ہے بلکہ وہ زیارۃِ مکانِ مکین یعنی زیارۃِ مکین ہے سو اگر لاتشدوا الرحال الی مسجد محذوف نہو
بلکہ الی مکان ہے محذوف ہو جنس قریب مستثنیٰ نہین بلکہ جنس بعید مستثنیٰ لیں اور وجہ یہ ہو کہ
وجہ ممانعت یہ ہے کہ محنت بے سود ہو گی سو زیارۃِ جملہ مکانات مین خواہ مسجد ہو خواہ کچہہ اور سوائے مساجد
ثلثہ جنکا ثواب عظیم ظاہر ہے یہہ وجہ برابر ہے تب بہی زیارۃِ نبوی مین کچہہ حرج نہین بلکہ اوس ترحم
کی امید ہے جسکا نتیجہ مغفرۃ اور رضوانِ خداوندی نظر آتا ہے کیونکہ یہ زیارۃ مکان نہین زیارۃِ مکین
ہے زیادہ کیا عرض کرون عنایۃ فرما کر اس تحریر کی نقل یا خود یہہ اصل عنایۃ فرمائین ورنہ ایامِ نقاہت
کی یہ کارگزاری انجام کار بہت دشوار معلوم ہو گی زیادہ بجز التماسِ دعا اور کیا عرض کرون میری
کیفیت یہہ ہے کہ ایک مدت سے کسی نہ کسی مرض مین مبتلا رہتا ہون دعا کا محتاج باقی بیماری کی
اس نواح مین کثرت ہے حاضرین خدمۃ کی خدمۃ مین سلام   الجواب محمد قاسم سوم ذیقعدہ ۱۲۹۹ سنہ ہجری
نبوی روز چہار شنبہ ۞

تمت

ماہ رجب ۹ سنہ ۱۳۱ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۸۹۲ع ۞ ۞ ۞ ۞

سیزدہم احکام دین اُن مجموعہ احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہین +

چہاردہم احکام دین اسلام دو قسم کے ہین ایک وہ جو اصلی احکام دین ہین اور وہ بالکل فطرت کے مطابق ہین دوسرے وہ جن سے اُن اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہے مگر اطاعت و عمل مین دونوں کا رتبہ برابر

پانزدہم تمام افعال و اقوال رسول خدا صلعم کی سچائی پر مبنی تہے مصلحت وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہی جس مین خوف کفر ہے ؎

مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگون نے مصلحت وقت کے معنے سمجھے ہین یعنی ایسے قول یا فعل کو کام مین لانا جو درحقیقت بیجا تھا مگر مصلحت وقت کا لحاظ کر کے اُسکو کہدیا یا کر لیا اگرچہ انکے سوا اور چند اصول بہی ہین مگر آجتک جو کچھ تحریر ہوئی ہو وہ اکثر یا قریب کل کے سوائے ایک آدہ مسئلہ کے انہین اصول پر مبنی ہی پس اگر بزرگان سہارنپور ان اصول کی غلطی سے مجھے مطلع فرماوینگے مین دل و جان سے شکر ادا کرونگا۔ والسلام سید احمد

نقل جواب خط شمس العلوم مولانا و سیدنا محمد قاسم الخیرات و العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم - مجموعہ عنایات پیرجی محمد عارف صاحب السلام علیکم و علے من لدیکم آج بندہ درگاہ دلی سے میرٹھ واپس آیا تو مولوی محمد ہاشم صاحب نے مولانا محمد یعقوب صاحب کا عنایت نامہ جو آپ نے لکھا تھا عنایت فرمایا کہولا تو آپکا خط اور جناب سید احمد خان صاحب کی ایک بڑی تحریر اندر سے نکلی شاید یہ قصہ اُس گفتگو کا نتیجہ ہے جو آخر ماہ شوال مین بمقام انبہٹہ مابین احقر و جناب ہوئی تہی سید صاحب کی تحریر سے کچھ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپنے میرے آنے کا کچھ تذکرہ اُنسے کیا ہوگا مگر مجھکو یاد نہین آتا کہ آپنے کس بات سے سمجھا ہوگا اُسوقت کی عرض معروض کا ماحصل فقط اتنا ہی تھا کہ سید صاحب کے ہان میرا آنا ہلانا ہے جبہی متصور ہے کہ سید صاحب اُن اقوال مشہورہ سے رجوع کرین جو اُنکی نسبت کوئی گاتا پھرتا ہے اور سید صاحب اُنپر اصرار کئے چلے جاتے ہین اور رجوع نہین فرماتے مگر آپ جانتے ہین کہ یہ گزارش میری طرف سے آپکی اُس استدعا کے جواب مین تہی جو آپنے دربارہ شمول احقر جناب سید صاحب بنام کام کی بھتی بہر حال آنے جانے کا کچھ مذکور نتھا آپ ہی فرمائین کہ ہمسے گرفتارون کو اتنی ہاتی کہان کہ بنارس غازیپور اُڑ جائین اور ہمسے بیچارونکو اتنی رسائی کہان کہ سید صاحب کے در دولت تک نوبت پہنچائین ہان مبلغ یہ دوڑ میرٹھ حد نہایت ہی ہے

ششم کوئی انسان سوائے رسول خدا صلعم کے ایسا نہین ہے جسکا قول وفعل بلا سند قول وفعل رسول کے دینیات مین قابل تسلیم ہو یا جسکے عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو اُسکے برخلاف اعتقاد رکہنا شرک فی النبوت ہے ؛

مقصود یہہ ہے کہ جس طرح عام انسانون اور پیغمبر مین تفاوت ہے اُسیطرح اُنکے قول وفعل مین بہی تفاوت ہے ؛

ہفتم دینیات مین سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت مین ہم مجبور ہین اور دنیاوی امور مین مجاز اِس مقام پر سنّت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہین ؛

ہشتم احکام منصوصہ احکام دین بالیقین ہین اور باقی مسائل اجتہادی اور قیاسی سب ظنّی ہین

نہم انسان خارج از طاقت انسانی مکلّف نہین ہوسکتا پس اگر ایمان پر مکلّف ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اور اُسکے وہ احکام جنپر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج نہون مثلاً ہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے مکلّف ہین مگر اُسکی ماہیت ذات کے جاننے پر مکلّف نہین ؛

دہم افعال مامورہ فی نفسہ حسن ہین اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہین اور پیغمبر صرف اُنکے خواص حسن یا قبح کے بتانے والے ہین جیسے کہ طبیب جو ادویہ کے ضرر ونفع سے مطلع کرے اس مقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیئے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سب پر شامل ہو ؛

یازدہم تمام احکام مذہب اسلام کی فطرت کے مطابق ہین اگر یہہ نہو تو اندہے کے حق مین نہ دیکہنا اور سوجہا کے حق مین دیکہنا گناہ ٹہر سکیگا ؛

دوازدہم وہ قوی جو خدا تعالی نے انسان مین پیدا کئے ہین اُنمین وہ قوی بھی ہین جو انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہین اور وہ قوت بہی ہے جو اُس فعل کے ارتکاب سے روکتی ہے اِن تمام قوتون کے استعمال پر انسان مختار ہے مگر ازل ہی سے خدا کے علم مین ہے کہ فلان انسان کن کن قوی کو اور کس کس طور پر کام مین لاویگا اُسکے علم کے برخلاف ہرگز نہوگا مگر اِس سے انسان اُن قوی کے استعمال یا ترک استعمال پر جبتک کہ وہ قوی قابل استعمال کے اُسمین ہین مجبور نہین متصور ہوسکتا

صاحب معروضات معروض ہیں اول واقعی خدا واحد ذوالجلال ازلی و ابدی خالق و صانع
تمام کائنات کا ہی فاعل ہون یا افعال اور افعال بھی اختیاری ہون یا اضطراری یہی وجہ ہے کہ خداوند لایزال
کو مالک کائنات اور کائنات کو اسکا مملوک سمجھنا چاہئے کیونکہ اسباب انتقال ملک اگرچہ متعدد ہون پر علت حدوث
ملک فقط قبضہ ہے جو خالق مین بوجہ اتم پایا جاتا ہے کون نہین جانتا کہ وجود ممکنات مستعار و عرضی
جسکے لیے معطی اور موصوف بالذات ہی موجود برحق ہے اور ظاہر ہے کہ صفات عرضیہ عین حالت عروض مین
موصوف بالذات ہی کی قبضہ مین رہتی ہین اسکے قبضہ سے نکل نہین جاتین دیکھیے وقت تنویر ارض
بھی نور آفتاب ہی کے قبضہ مین رہتا ہے اسکے قبضہ سے نکل نہین جاتا اسلیئے تمام کائنات پر ہر قسم کے حکم و احکام
کا اختیار رکھتا ہے کسی دوسرے کے ملک ہوتی تو البتہ اسکی اجازت جناب باری کی لئے ایک پیمانہ تصرف
ہو سکتا تھا باقی رہا حسن و قبح کا جھگڑا وہ اسکا یہی ہے اگر اسی حکم پر ہے تب تو خیر ہر حکم حسن ہے ورنہ مراعات حسن و
قبح دربارہ امر و نہی بوجہ مجبوری نہین بوجہ حکمت و فضل ہے دوم کلام خداوندی اور کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
مخالف حقیقت اور مخالف واقع نہین ہو سکتا اسی ہی حقیقت اور واقع کے دریافت کرنیکی صورت اس سے
بہتر کوئی نہین کہ خدا تعالی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کیطرف رجوع کیا جائے سو اگر کوئی اور
طریقہ دربارہ اخبار واقع و حقیقت مخالف کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ہو تو کلام اللہ اور احادیث کے سبب سے
اسکی تغلیط کرسکین گے پر کلام اللہ اور احادیث کی تغلیط اس طریقہ کے بھروسے نہین کرسکتے اس صورت مین اگر
اشارہ عقل معارض اشارہ نقل ہو تو ہرگز قابل اعتبار نہین غرض عقل کی بات یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ
نمونہ صحت اور سقم دلائل عقلیہ سمجھی جائین نہ برعکس علی ہذا القیاس مضمون متبادر کلام اللہ و حدیث کو
جو باعتبار قواعد صرف و نحو دلالت مطابقی سمجھی جاتے ہون اصل مقرر کرکے دلائل عقلیہ کو اسپر مطابق کرین اگر
کھینچ کھانچ کر بھی مطابق آجائے تو فبہا ورنہ قصور عقل سمجھین یہ نہو کہ اپنے خیالات و اوہام کو اصل سمجھین اور
کلام اللہ و حدیث کو کھینچ تان کر اس پر مطابق کرین سوم ہمین بھی کچھ شک نہین کہ قرآن مجید کا کوئی کلمہ خلاف
واقع نہین مگر ہمین بھی کچھ شک نہین کہ اس کبری کلیہ کے لئے کوئی صغری جزئیہ بوسیلہ عقل دریافت کرلینا ہم
ہیچمدانوں کا کام ہو جناب سید صاحب اور مولوی مہدی علیخان صاحب کا بھی کام نہین یعنی بوسیلہ عقل یون نہین کہہ سکتے

اس پر نقار خانے مین طوطی کی آواز کون سنتا ہے کیا آپکے خیال مین یہہ بات آسکتی ہے کہ صدر الصدور
اعظم ایک غریب سے مزدور کے ہمسر ہوجائین اجی حضرت امیرون کے ذہن فہم و عقل و ادراک کے ہزارون گونہ
ہوتے ہین غریبون کی فہم و فراست کا کہین ایک بہی نہین سُنا اس صورت مین کیونکر کہہ دیجے کہ سید
صاحب ایک غریب سے شیخ زادہ کی مان جائین ع کب سنتے ہین کہانی میری۔ اور پہر وہ بہی
زبانی میری: ہم سے شکستہ حالون کی باتون پر موافق شعر غالب ع بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور
کب تلک: ہم کہین گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا: ایسے عالی مراتب دانشمند ہرگز توجہ نہین فرمایا کرتے
باینہمہ ایسی جہیڑ جہاڑ ون مین کبہی نہین دیکہا کہ کسی ادنے نے بہی کسی اعلی کی مانی ہو اس صورت مین
ایسی بر عکسی پر کیا امید باندہیے پہر جی صاحب گمنام کبہی کسی سے نہین الجہتا اور الجہے بہی تو کیونکر ہم
وہ کونسی خوبی ہے جسپر کمر باندہکر لڑنے کو تیار ہو ایسی کیا ضرورت ہے کہ اپنے اور عمدہ مشاغل کو چہوڑ کر اس
نفسا نفسی مین پہنسون ہان ہمین کچہ شک نہین کہ سنی سنائی سید صاحب کے اولوالعزمی اور دردمندی
اہل اسلام کا معتقد ہون اور اسوجہ سے انکی نسبت اظہار محبت کرون تو بجا ہے مگر اتنا یا اس سے زیادہ
انکے فساد عقائد کو سُن سُنکر انکا شاکی اور انکی طرف سے رنجیدہ خاطر ہون مجکو انکی کمال دانش سے
یہ امید تہی کہ میرے اس رنج کو ثمرہ محبت سمجہکر تہ دل سے اپنے اقوال مین مجہ سے استفسار کرینگے بایں خیال
کہ ع گاہ باشد کہ کودک نادان: بغلط بر ہدف زند تیرے: اس طرف کو دل لگا بیٹہے مگر انکے اس
تحریر کو دیکہکر دل سرد ہو گیا یہ یقین ہو گیا کہ کوئی کچہہ کہو وہ اپنی وہی کہے جائینگے انکے انداز تحریر سے
یہ بات نمایان ہے کہ وہ اپنے خیالات کو ایسا صحیح سمجہتے ہین کہ کبہی غلط نکہین گے اسلیئے جی مین یہ آتا ہے
کہ قلم ہاتہ سے ڈالدیجے مگر کیا کرون آپکا تقاضا جدا جان کہائے جاتا ہے مولانا محمد یعقوب صاحب کا
ارشاد جدا ہی ڈراتا ہے ع گویم مشکل و گر نگویم مشکل: جب یہ لکہے نہ بنی تو قلم کو روک روک کچہ مختصر مختصر سا
عرض کر دینا مناسب جانا اور جی مین یہ ٹہانی کہ ہر چہ باداباد پہر قلم نہ اٹہانا کہین مدلل کہین بے دلیل
ایکبار تو اپنا مافی الضمیر کو لکہ کر روانہ کیجے اگر سید صاحب نے انصاف کو کام فرمایا تو پہر بہی دیکہا جائیگا ورنہ
اپنے حق مین کوئی جابر نہین جو مجبوری کا اندیشہ ہو بہر حال: ترتیب اصول مسطورہ سید

اور انبیا کو بمنزلۂ وزرا یا نواب جنکی حکومت مستقل نہین ہوتی بلکہ عطار بادشاہی و مستعار ہوتی ہی جیسے
سمجھنا چاہیے جیسے ہے اور حکام ماتحت جو زیر حکم وزرا اور نواب ہوا کرتے ہین وہ اولیا ہین نیچے کے درجے مین ہو
ہین کیونکہ وہ انہین وزرا اور نوابوں کے نائب ہوکر حکمرانی کیا کرتے ہین بہرحال بعد خدا بالذات مطاع و حاکم
کوئی نہین ان الحکم الا للہ مگر ہان اتنا فرق ہی کہ انبیا کا مطاع ہونا اگرچہ بالعرض کیون نہو بوجہ تیقن رسالت
یقینی ہوتا ہی اور پھر بوجہ معصومیت احتمال دغل و خلل نہین ہوتا فقط ایک ثبوت کی ضرورت ہوتی ہی اور علماء اولیا
کے اول تو اس عہدہ نیابت مین کلام ہی یعنی انکا عالم اور مستحق نیابت ہونا یقیناً معلوم نہین ہوتا دوسرے
اگر انکی نیابت معلوم بھی ہوجاوے یعنی یہہ یقین بھی ہوجاوے کہ یہہ اس مرتبہ کے عالم ہین تو اسمین کلام رہتی ہے
کہ قول و فعل بوجہ ہوا و ہوس یا نسیان خطا تو صادر نہین ہوتا ہان اس قسم کے خیالات البتہ ظنی ہوسکتے
ہین یعنی جیسے بوسیلہ آثار کسی کا شجاع ہونا یا نامرد ہونا یا سخی ہونا یا بخیل ہونا یا صادق و کاذب ہونا یا خوش اخلاق
و بداخلاق ہونا یا دوست و دشمن ہونا یا متقی و فاسق ہونا یا مومن و کافر ہونا معلوم ہوجاتا ہی اور وہ علم موافق
قواعد معلومہ ظنی ہوتا ہی ایسا ہی کامل العلم یا ناقص العلم ہونا یا تابع رضای خدا یا تابع ہوا و ہوس ہونا
بھی چھپا نہین رہتا اور بعض اوقات مین ویسا ہی یقین حاصل ہوجاتا ہے جیسا امور مذکورہ مین
مگر چونکہ اہل علم اسکو یقین نہین کہتے بلکہ اس قسم کے یقین کا نام انکے نزدیک ظن ہے تو احکام ظن اسپر عائد
ہونگے مگر ہم دیکھتے ہین کہ کم سے کم وجوب کے لیے ظن ضرور ہے مرتبۂ شک تک ایجاب حکم متصور نہین وجب مرتبۂ
شک سے ترقی حاصل ہو یعنی ظن پیدا ہوجاوے تو پھر وجوب آ دباتا ہی یہی وجہ ہے کہ قاضی دو گواہ عادل سنکر اگر
حکم مخالف مدعی دے تو گنہگار ہو اور ظالم ٹھہرے علی ہذا القیاس مخالفت حدیث بشرط صحت موجب فسق ہی اگر در صورت
ظن وجوب نہوا کرتا تو اس گنہگاری اور فسق کی کوئی وجہ نہتی اور ظاہر ہے کہ قاضی کو دو گواہون یا سامع کو حدیث
واحد سے یقین مصطلح حاصل نہین ہوسکتا ہان غلبۂ ظن کہیے تو بجا ہے مگر ظن اگر موجب اعمال ہے اور سرمایۂ جوابدہی ہے
تو جہان دینیات مین دو قول مختلف ہون اور ایک کیطرف ظن غالب ہے تو موافق قاعدہ مذکورہ کے جسپر قواعد شرعیہ بھی
مثبت ہین اور عقل بھی شاہد ہی وہی وجوب عائد ہوگا ہان اختلاف ظنون ممکن ہے ہوسکتا ہی کہ کسیکو ایجاب کی جانب ظن ہو
کسیکو سلب کی جانب ظن ہو بہرحال یہہ کہدینا کہ کسیکا قول و فعل بلا سند قابل تسلیم نہین از روی بیان نا قابل تسلیم

کہ بذا حقیقۃ او واقع اور کہین تو نا وقتیکہ کلام اللہ کے معنی متبادر مطابقی کی مطابق ہے تو بسر و چشم
ورنہ کالا زبون بر ریش خاوند۔ مگر یہ یاد رہے کہ معنی مطابقی سے زیادہ لینے کی اجازت نہین ہان اگر کوئی اور
دلیل نقلی یا عقلی سے ایسی بات ثابت ہو جائے جو معنی مطابقی کے مخالف نہین تو کچہہ مضائقہ نہین غرض
جانی زندگی سے زید کا فقط آنا ثابت ہے گا سوار آنے یا پیادہ آنے سے سروکار نہین جہان ہم واقعی مخالف کلام اللہ
نہ کسی محدث کا قول معتبر ہے نہ کسی مفسر کا بلکہ خود حدیث اگر مخالف کلام اللہ ہو تو موضوع سمجہی جائیگی مگر تخالف اور توافق
کا سمجہنا ہم جیسوں کا کام نہین سکے لیئے تین علمون کی ضرورت ہے ایک تو علم یقینی معانی قرآنی دوسرے علم یقینی
معانی قول مخالف تیسرے علم یقینی اختلاف جسکو یہ منصب خدا عطا کرے اُسکے بڑے نصیب اور یون جاہل و نیم ملا
ان باتون مین ٹانگ اڑانے لگین تو انکا یہ دخل بیجا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ کسی طبیب حاذق کی بات مین کسی نادان یا کسی
نیم طبیب کا دخل سو جیسے طبیب حاذق سے بوجہ خطا و نسیان ذاتی مخالفت قوانین طب کسی خاص واقعہ مین
ممکن ہے پر اُسپر گرفت کرنا مریض نادان یا نیم طبیب کا کام نہین ایسے ہی محدث اور مفسر سے مخالفت غرض
قرآنی بوجہ خطا و نسیان ممکن ہے پر ہم سے جاہل یا ہمسے نیم ملا کا یہہ منصب نہین کہ ہم بہی اُسکو دریافت کر سکین
یا درباب صحت تخالف ہمارا قول معتبر ہو سکے ہان البتہ یہ بات ممکن ہے کہ دو تفسیرین سنکر بشہادت وجدان
ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح سمجہہ لین اسلیئے کہ بات کا نکالنا مشکل ہے پر بتلائے پر سمجہہ لینا آسان ہے بہرحال
ہر کارے و ہر مردے مخالفت کا سمجہہ لینا ہر کسیکا کام نہین اور بعد اطلاع مخالفت جب اُسکا بڑے کے اقوال قابل
قبول نہوئے تو ہمارے تمہارے یا سید صاحب کے اقوال اگر مخالف کلام اللہ یا حدیث ہونگی تو بدرجہ اولی مقبول
نہونگے پنجم کسی آیت کا منسوخ الحکم ہو کر دفتین سے خارج ہو جانا وجوب عمل قرآنی مین کچہہ خارج نہین اگر
ہمکو کسی آیت معلوم کا منسوخ التلاوت ہو جانا معلوم ہو جائے تو ہرگز تیقن احکام واجبہ مین کچہہ فرق نہین پڑتا
ہان جو صورتیکہ آیت خارجہ معلوم التشخص والحکم نہو تو البتہ یہہ یہ احتمال ہے کہ شاید وہ حکم ناسخ ہو اور کوئی حکم احکام
موجودہ مین سے منسوخ ہو یا اُسکے برعکس کہیئے اس صورت مین واجب اور غیر واجب کا پہچاننا حد طاقت بشری سے خارج
ہو جائیگا اور درباره شناخت حق و باطل اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت پر چندان تفوق نہوگا ششم خداوند کریم
بالذات مطلع ہے اور انبیاء بوجہ رسالت اور علماء بوجہ تبلیغ رسالت مطلع ہین غرض خدا کو بمنزلہ بادشاہ سب کا افسر سمجہو

جیسے لاوران مشہور یا سخیا معروف کے آثار اون کی شجاعت و سخاوت پر شاہد تھی پھر اسپر انکی طرف سے اُس
فعل و قول کی نسبت صراحۃً یا اشارۃً یہ دعوی بھی ہے کہ یہ حکم خدا تعالی یا سنت رسول اللہ صلعم ہے اور اسطرف یعنی
ہمین تمہین در باب علم یہ منصب نہیں کہ مسائل دینیہ مین یہ پہچان سکین کہ اس موضوع و محمول مین باہم ارتباط ذاتی ہے
یعنی موضوع محمول کے حق مین علت اور ملزوم ہے اور محمول اُسکے حق مین معلول و لازم ذات یا عرضی ہے یعنی
ایک دوسرے کے لیئے علت و معلول و لازم ذات و ملزوم ہے تو اسصورت مین قول و فعل مذکور ہمارے تمہارے حق مین
قابل تسلیم ہے بلکہ اگر ہمین تمہین اُور ونکی نسبت کسی خاص قایل و فاعل کے ساتھ زیادہ ظن غالب ہے تو مدتیک توافق
نو مشار الیہا اُسیکا قول واجب التسلیم ہوگا کیونکہ ہر شخص در باب دین اپنے ظن غالب کا کم سے کم محکوم ہے لیکن اتنا اَو
ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ منصب مذکور کے حاصل ہونے سے پہلے خود رائی ایسی ہے جیسی اندھا کسیکی ہدایت سے رہروی اختیار کرے
یہ بات فقط عربی کے ترجمہ دیکھ لینے سے حاصل نہین ہوجاتی اگر کوئی شخص عربی دان حافظ کلام اللہ و حدیث
بھی ہو تو کیا ہے اندھا شمع لیکر ہاتھ مین لے لینے سے سوجھا نہین ہوجاتا اور بیماری دواؤن کے جان لینے سے
طبیب نہین بنجاتا باقی تفاوت واقع فیما بین انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام مسلم مگر یہ تفاوت قادح وجوہ
مذکور نہین وہ تفاوت جو خدا تعالی و انبیاء علیہم السلام مین واقع ہے اس تفاوت سے زیادہ ہے، جو پیغمبرون اور
اُنکی اُمتیون مین ہوتا ہے سو اگر محض تفاوت موجب سقوط اعتبار ہے تو یہ بات تو دور تک پہنچتی ہی اور اگر اضافت
خداوندی یعنی یہ بات کہ قول انبیاء کرام در پردہ فرمودہ خدا تعالی ہوتے ہین) موجب وجوب اتباع ہی تو یہان بھی
اضافت بنا کرگی ہان یہ مسلم کہ وہان علم اضافت یقینی ہے اور یہان بوجہ احتمال خطاء و غیرہ ظنی ہی اسلیئے تفاوت
فی الوجوب پیدا ہوگا پر شرک فی النبوت کو (جیسا آپ فرماتے ہین) اس سے کچھ علاقہ نہین ہفتم یہ بات مسلم ہے کہ
اطاعت نبوی صلعم دین مین ضرور ہے لیکن اگر احکام دین اقوال نبوی صلعم ہی کا نام ہو تو پھر معلوم نہین
کہ اس تفریق کے کیا معنے ہونگے کہ در باب اتباع دین تو ہم مجبور ہین پر در باب امور دنیاوی مجاز ہین ہان
یون کہیئے کہ ایک امر ہوتا ہے اور ایک مشورہ امر اگر ایجاب کے لیئے ہے تو اتباع واجب ہے اور استحباب کے لیئے ہے تو
مستحب ہے اور مشورہ مین رسول اللہ صلعم ہون یا اور کوئی ہو واجب الاتباع نہین بلکہ خدا کی طرف سے اتباع
مشورہ رسول اللہ صلعم مین امر استحبابی تک نہین لیکن ظاہر ہے کہ افعال اختیاری پر دو ثمرے متفرع ہو سکتے

نہین اور کیونکر علی الاطلاق ایسی بات کہدیجے کہ جسمین کسی کہنے والیکو اسبات کی گنجایش ملی کہ اگر کسیکا قول و فعل
بلا سند معلوم قابل تسلیم نہین تو راویون کا یہ کہنا کہ یہ روایت قول خداوندی ہے یا قول نبوی صلعم ہے کیونکر قابل تسلیم
ہو سکتا ہے اگر بوجہ صداقت ظن صحت و حسن ظن ہے تو فقہا اور علما نے کیا گناہ کیا ہے انکے ساتھ بہی حسن ظن چاہیے
اگر ہمکو انکے قول کی کوئی سند معلوم نہین تو دربارہ وجود ماخذ قول مذکور فقہا اور علماء ربانی روایت حدیث سے استحقاق
حسن ظن مین کم نہین غرض فقہا دربارہ اقوال مستخرجہ دو منصب رکہتے ہین ایک تو یہی منصب استخراج و استنباط دوسرے
منصب روایت یعنی یہ کہنا کہ اس حکم کے لیے کوئی ماخذ ہے کیونکہ یہ منصب ثانی اگر انکے لیے تجویز نکیا جائے تو یہہ
معنی ہون کہ یہ لوگ کذاب و دروغ گو تھے سو باوجود آثار صدق و دیانت اگر کسیکو کذاب کہنا جائز ہے تو راویان
حدیث صحیح کے کذاب کہدینے سے کون مانع ہے بالجملہ فقہاء ربانیین کو دربارہ ماخذ اگر راوی نہ سمجہا جائے تو پہر دین کے
لیے کوئی حجت ہی ملیگی ہان یہ بات مسلم کہ منصب اول مین گنجایش تامل ہے اسلیے احتمال ثانی بہی رہتا ہے جسکے باعث
یہ دوسرا ظن یہان پیدا ہو گیا ہے اور اسوجہ سے وجوب متعلق احکام مستخرجہ فقہاء اسلمین وجوب متعلق احکام منصوصہ سے
رتبہ مین کم ہو گا مگر یہ کمی ایسی ہی ہو گی جیسی نماز کی فرضیت اور روزہ کی فرضیت مین تفاوت کمی بیشی ہے اسلیے
یہ کہنا تو غلط کہ قابل تسلیم نہین ہان یہ بات مسلم کہ انکے انکار سے کفر عائد نہین ہوتا پر انکار تو حدیث واحد کا
بہی موجب کفر نہین اگر ہے تو موجب فسق ہے سو یہی فسق یہان بہی لازم آئیگا بہت نہین تہوڑا ہی سہی علی ہذا القیاس
یہ کہنا کہ دوسرون کے قول کو قابل تسلیم سمجہنا شرک فی النبوت ہے علی الاطلاق درست نہین یہ بات جب ہے کہ کسی
دوسرے کو قطع نظر اتباع نبوی صلعم کے ایسا سمجہے کہ اسکا قول و فعل بہر نہج واجب الاتباع ہے سو اس قسم کا
معاملہ اگر کوئی شخص کسیکے ساتھ کرے جیسا اتباعان رسوم آبا بمقابلہ سنن مرسلین باوجود تیقن تہمت سنت
و تیقن بے سندی رسوم آبا کیا کرتے ہین وہ شخص بیشک مصداق شرک فی النبوت ہے اگر اپنے آبا کی ساتہ انکو بہی
عقیدہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتہ انکے پیرو ونکو ہونا چاہیے تب تو وہ لوگ مشرک حقیقی ورنہ کافر تحقیقی ہین
حروف تشنیع ابنائے روزگار اگر فقط باعث اتباع رسوم ہے تو اسصورت مین ایک ضعیف سا ایمان اس شرط پر متصور ہے
کہ انبیاء و وقت کے ساتہ اعتقاد کما ینبغی رکہتا ہو بہرحال اگر قائل قول و فاعل فعل مستحق حسن ظن اور معذور در ظن
غالب باب کمال علم و دیانت و امانت ہے اور اس امر مین اسکے آثار اسکے ان دونو کمالون پر ایسی طرح شاہد ہون

بھی استحباب ضمنی آجاتا ہے ہشتم احکام منصوصہ کے یقینی اور اجتہادی کی ظنی ہو ہمین کسے کلام ہو سکتی ہے
اگر ہو گی تو اس امر مین ہو گی کہ کونسا منصوص ہے کونسا نہین اور کونسا اجتہادی ہے اور کونسا نہین اور یہ
بین اسواسطے عرض کرتا ہون کہ بسا اوقات اکثر آدمی بوجہ قلت تفکر بعض امور کو منصوص سمجھ جاتے ہین حالانکہ وہ منصوص
نہین ہوتی اور تو اور حضرت موسیٰ یون سمجھ گئے کہ خضر نے کہ جنکی شان مین خداوند کریم واتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ
من لدنا علماً فرماتے ہین کشتی مساکین کو ظلماً توڑ ڈالا اور طفل نابالغ کو بیگناہ قتل کر ڈالا یہ کلام اللہ مین موجود ہے آیات
آخر رکوع یعنی اما السفینۃ سے لیکر آخر رکوع تک سے قطع نظر کیجئے اور ابناء روزگار سے پوچھ دیکھئے یہی کہینگے کہ حضرت خضرؑ
کا قاتل بیگناہ ہونا اور خارق سفینہ ظلماً ہونا منصوص ہے غرض اکثر یہ ہوتا ہے کہ معنی حقیقی موضوع لہ سے زیادہ بوجہ
خیالات طبعزاد جو الفۃً عادت پر مبنی ہوتے ہین اور معانی زائد لگا لیتے ہین اور خود انکو یہہ تمیز نہین ہوتی کہ
ایجادی طبع کا ہے ارشاد نبوی نہین اکثر ابناء روزگار بلکہ کل اسی قسم کے نظر آتے ہین آخر کسی کے کلام اسکے مبلغ
فہم پر دلالت کر دیتی ہے مگر آجکل اکثر عالم کم بوجہ انصاف وہ عالم نہین ہم ملا ہین اپنے آپکو عالم فن دین کچھ ایسا
سمجھ جاتے ہین کہ جیسی بندر نے نیل کے ماٹ مین گر کر اپنے آپکو طاؤس سمجھ لیا تھا انصاف کی بات جسکو اہل فہم
خواہ مخواہ مان جائین یہ ہے کہ علم کے تین مرتبے ہین ایک وہ جسکی طرف جملہ یتلو علیہم آیاتہ دلالت کرتا ہے اسکا
حاصل تو فقط اتنا ہے کہ عربی مین زبانداں حاصل ہو جاوے دوسرے وہ جسکی طرف یعلمہم الکتاب مشیر ہے اس مرتبہ کی
حقیقت یہ ہے کہ مجملات کلام اللہ کو مشخص سمجھ جاوے تفصیل اس اجمال کی بقدر مناسب ہے کہ مفہومات کلیہ کے
لیے ہزارہا تشخص محتمل ہوتے ہین مثلاً انسان ایک مفہوم کلی ہے اور زید عمرو بکر کی خصوصیات زائدہ اسکی
تشخصات ہین سو کلام اللہ مین اگر کوئی مفہوم کلی مصرح مذکور ہوا اور اسکا تشخص و تعین مصرح تو مذکور
نہو پر سیاق و سباق اور لواحق و توابع کے وسیلہ سے بشرط رسائی فہم معلوم ہو سکتا ہو تو جو شخص اس بات کو نکالے
وہ معلم کتاب کہلائیگا الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم مین لفظ ظلم ایک مفہوم کلی پر دلالت کرتا ہے جسکے لیے
صغیرہ اور کبیرہ اور شرک بدعت افراد ہین مصرح اگر موجود ہے تو وہی مفہوم کلی موجود ہے اور تعین شرک مصرح
موجود نہین ہان لفظ لبس بوسیلہ ان الشرک لظلم عظیم اسکی جانب مشیر ہے علیٰ ہذا القیاس آیت وضو مین جر
ارجل کی قرأت کی صورت مین مسح ارجل تو عطف علی الرؤس کی صورت مین مصرح ہے اور اسکے ساتھ غسل

ہین منفعت و مضرت دنیوی یا منفعت و مضرت آخروی سو بیان منافع و مضار دنیوی مین تو البتہ
گنجایش مشورہ مذکورہی پر دربارۂ منافع و مضار آخروی انبیا کو مشیر سمجھنا شرک فی النبوت کے بنا کو مستحکم کرنا
ہے یا انبیاء کرام علیہم السلام کو مثل عوام سمجھنا ہے اگر بنا مشورہ وحی پر ہوا کرے تو رسول اللہ صلعم کو جو
حکم ہوا و شاورہم فی الامر اور اسوجہ سے ہمیشہ کے لیئے مشورہ سنت ہوگیا تو اسکے یہ معنی ہون کہ آپ
خاتم النبیین نہین اور اگر مشورہ محض رائے پر موقوف ہو تو یون کہیئے کہ انبیاء کرام بھی مثل عوام اٹکل
ہی کے تیر مارا کرتے ہین بالجملہ منافع و مضار دنیوی مین انبیاء مشیر ہو سکتے ہین پر اسکو عرض رائے کہتے ہین
امر نہین کہہ سکتے جو یہہ تفریق بجائے خود مستحسن ہو اس صورت مین ماحصل اس تقریر کا یہ ہوگا کہ ایجاد طریق آخرت
تو انبیا کا کام ہے اور ایجاد طریق فلاح دنیا انکا کام نہین پر بعض طریق فلاح دنیا معارض بعض طریق فلاح آخرت
ہوتے ہین اور بعض موافق ہوتی ہین اور بعض نہ موافق ہوتی ہین نہ معارض سو جو طریق فلاح دنیا معارض طریق فلاح آخرت ہوتے ہین
جیسے چوری قزاقی غصب زنا وغیرہ وہ تو بوجہ مخالفت ممنوع ہوتے ہین اور جو طریق موافق ہوتے ہین جیسے قرآن خوانی
یا وعظ گوئی پر لیتا وہ یا اس وجہ ممنوع ہو جاتے ہین کہ غلام سرکاری ہو کر کار سرکاری پر اجرت مانگتے ہین
اور جو طریق نہ موافق ہین نہ معارض انکو ذریعہ فلاح دنیا اگر قرار دین تو بجا ہے ان طریقون مین ہمیشہ
یہ ملحوظ رہیگا کہ فلاح آخرت کے طریقون کی معارض نہو جائین چنانچہ بیوع و اجارات کا فساد و بطلان سب اسی بنا پر
مبنی ہے سو اس قسم کے ایجاد یا اسکی ترقی و تنزل مین انبیا اگر دخل دیتے ہین تو بطور مشورہ بتقاضائے خیر خواہی دخل دیتے
ہین خدا کیطرف سے اس مشورہ کی تسلیم مین کچھ گنہگاری نہین اور مقدمہ تابیر نخل مین رسول اللہ صلعم کا انصار کو
انتم اعلم بامور دنیاکم فرمانا اسیوجہ سے تھا کہ آپ اس فن کے امام نتھے خدا کیطرف سے اس مقدمہ مین پیغمبر نتھے بہر حال
امر نبوی صلعم جس امر مین ہو واجب الاتباع یا مستحب الاتباع ہوگا ہان مشورہ نہ واجب الاتباع ہے نہ مستحب الاتباع
البتہ مقتضائے حسن ادب یہ ہے کہ آپکے مشورہ کو بھی اورون کے مشورہ پر مقدم جانے کہ اول تو مشورہ مین لحاظ
کمال عقل ہی پر ہوتا ہے فقط تجربہ کاری پر نہین ہوتا سو اس کمال مین ظاہر ہے کہ انبیا کیسے کامل ہوتے ہین دوسرے
اتباع کسی مقدمہ مین کیون نہو موجب خوشنودی خاطر متبوع ہوتا ہی اور ظاہر ہے کہ خوشنودی خاطر انبیاء کرام
کیا کچھ مثمر برکات ہو سکتی ہے کم سے کم ایک یہی بات بہی اسوجہ خارجی اور عارضی کی باعث ایسے مواقع مین

لوگو اتنا تعلق ہو جسے اطلاع بعض احوال متعلقہ جسد ایسی طرح ہو جاوے جیسا تعلق خاطر مرد آوارہ بہ اوقات
بہ نسبت اور بلاد کے احوال متعلقہ وطن متروک زیادہ اطلاع کا باعث ہو جاتا ہے پر اتنی بات سے قبض
و تصرف نہیں نکلتا جو اشتباہ حیات ہو علی ہذا القیاس نہیں کہ مثل شہدا ایک مدت سے تعلق چھوٹ کر
کسی دوسرے بدن سے تعلق پیدا ہو گیا ہو جسکے بھروسے یوں کہا جاوے کہ جب بدن اول سے تعلق ہی نہ رہا تو
اُسکے متعلقات یعنی ازواج و اموال سے کیا تعلق ہوگا جو مانع میراث اور انقطاع نکاح ہو اسی طرح اور بہت سی
نظیریں ہیں جنکو بے کہے اہل دانش سمجھ جاوینگے غرض مقصود حقیقی اور علت حقیقی کو دنیات میں علت
مجازی اور مقصود مجازی سے پہچان لیتا وہ حکمت ہے جسکی طرف آیت مذکور میں اشارہ ہے اور جسکی تعریف
میں یہ ارشاد ہوا ہے ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا سو مرتبہ حکمت پر اجتہاد کی اجازت ہے بشرطیکہ
قرآن اور حدیث پر بخوبی نظر ہو اور ناسخ و منسوخ و ضعیف و قوی کو پہچانتا ہو اور مرتبہ علم کتاب میں
اگرچہ اجازت اجتہاد و استنباط احکام غیر منصوصہ نہیں ہو سکتی پر فقط احکام منصوصہ اور مضامین مندرجہ قرآن
میں خود رائی اور خود بینی کی اجازت ہے چنانچہ بدیہی ہے بعد اسکے اگر حکیم امت یا عالم کتاب سے کوئی خطا
ہو جاوے تو وہ ایسی سمجھنی چاہیئے جیسی اسپ تیز گام باوجود سلامت اعضا و قوت رفتار ذرا سی غفلت میں ٹھوکر
کھا کر گر پڑتا ہے اس ٹھوکر کھا کر گر پڑنے کو اسپ لاغر و لنگ کے گرنے پر قیاس کیجے جیسے سواری موقوف نہیں کر دیتے
ایسے ہی حکیم امت و عالم کتاب کو بوجہ غلطی جو مقتضائے بشری بوجہ غفلت ہو جاتی ہے خود رائی اور اجتہاد
سے روک دینا نہ چاہیے پر انکی غلطی اس امر میں مثل غلطی عوام نہ سمجھی جاویگی باقی رہا وہ مرتبہ جو جملہ یتلوا علیہم
آیاتہ سے مستفاد ہے اگرچہ بادی النظر میں از قسم علوم ہے پر حقیقت میں یہ مرتبہ اُن علماء ربانی کا
مرتبہ نہیں جو کسی کے پیرو نہوا کریں ورنہ جملہ یعلمہم الکتاب بیکار رہتا ہاں حافظ علوم کہیے تو بجا ہے بہرحال ایسے
لوگونکو اوروں کا اتباع ضرور ہے عالم بن بیٹھنا اور لوگونکی پیشوائی جانا جائز نہیں آپ بھی گمراہ ہونگے اور اوروں کو
بھی گمراہ کرینگے پیشوایان فرقہائے باطلہ سب کے سب اسی مرتبہ کے لوگ تھے جنہوں نے بوجہ اولو العزمی اپنے فہم کے
موافق اوروں سے اپنا کام لیا اور ایک عالم کو گمراہ کر دیا ؛ نہ ہم انسان کو خارج از طاقت انسانی مکلف ہو سکنا
اقدس سے اور نہونا اوروں سو اسمیں کچھ کلام نہیں کہ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں مگر اسکے ساتھ

قدم کا کچھ ذکر نہین پر غسل بھی اسکے ایک فرد مین سے ہے کیونکہ ہاتھ کا پہنیر سوکھا ہو حب مسح ہے اور تر ہو
حب مسح ہی غسل کے ساتھ ہو حب مسح ہے اور فقط رطوبت قائمہ یا لید کے ساتھ ہو حب مسح ہی غرض ایک مضمون
کلی ہی جسکے افراد کثیرہ اور تشخصات متعددہ متصور ہین جنمین سے تصریح ایک کی بھی نہین ہے تو اس مضمون
کلی کی تصریح ہی ہان قید الی الکعبین کو دیکھیے تو باعانت یا استعانت فہم رسا ہو تو غسل ہی لازم آجاتا
ہے علی ہذا القیاس با عانت یا استعانت موضوع لہ راس کو بہ تدبر لحاظ کیجئے تو تعلق ربع راس نکل
آتا ہے ہان راس کو کرہ حقیقی اور پانی کو سطح مستوی یا کرہ حقیقی رکھیے تو پھر بال دو بال ہی کا مسح فقط ثابت
ہوگا بہرحال لفظ ظلم سے تمام گناہون کو مصرح سمجھ لینا اور لفظ راس سے تمام راس کو مصرح سمجھ لینا اور منصوص
خیال کرنا ایک سینہ زوری ہی اور کچھ نہین تیسرا مرتبہ علم مین وہ ہے جو جملہ یعلمہم الکتاب والحکمۃ سے لفظ
حکمت کے وسیلے سے سمجھ مین آتا ہے تحقیق اس مرتبہ کی یہ ہے کہ ہر ایک حکم کے لئے ایک علت ہے اور ہر صفت کے لیے ایک موصوف
حقیقی ہوتا ہے مثلاً مطاع ہونے کے لیئے کمال و جمال و مالکیت نفع و ضرر علت حقیقی اور موصوف حقیقی و محکوم علیہ حقیقی ہے
اور وہ اسکے لئے معلول حقیقی اور وصف حقیقی ہی اور محکوم بہ حقیقی اور نسبت فیما بین بھی نسبت حقیقی
ہے علی ہذا القیاس ایک موصوف عرضی ہوتا ہے جیسے صفت رسالت یا خلافت اور اولو الامری مطاعیت
کے لئے موصوف عرضی اور علت عرضی اور محکوم علیہ عرضی ہی اور نسبت فیما بین نسبت عرضی اور مجازی ہے
یا یون کہیے کہ رسول اللہ صلعم کے مال مین میراث جاری نہونی اور آپکے ازواج کے نکاح کی حرمت کے
علت اور انکے ساتھ آپکی حیات جسمانی ہی جو آپکی موت عرضی کے نیچے دیکر افاضہ حس و حرکت سے ایسی کچھ
معذور ہو گئی ہے جیسی چراغ روشن کسی ہنڈیا مین بند ہو کر مکانمین افاضہ نور سے معطل ہو جاتا ہے
یہ نہین کہ جیسے ہماری تمہاری حیات جسمانی جس سے جسم پر روح کا قبض و تصرف تھا موت کے آنے سے
ایسی طرح زائل ہو جاتی ہی جیسے سایہ کے آنے سے دھوپ آپکی حیات بھی موت کے آنے سے زائل ہو گئی باقی نہ ہے جو
السلام علیکم یا اہل القبور سے ایک نوع کی تعلق روح و جسد کا پتا لگتا ہے جس سے اشتباہ حیات پیدا ہوتا ہے
تو اسکو اول تو ایسا سمجھیے جیسا بوسیلہ تار برقی بمبئی یا کلکتہ یا لندن کی خبر میرٹھ یا بنارس مین آجائے
ایسے ہی یہان ہی کچھ دوسرا اگر کچھ تعلق ایسا رہا بھی جیسا کسی جلاوطن کو اپنے وطن اصلی کی ساتھ رہتا ہے

یہ بجز غفلت ہے کہ ایمان اور احکام موجبات عقل انسانی سے خارج نہوون یہ بھی صاحب غور کا مقام ہے
تکلیف مالایطاق کے نہونیکی علت فقط یہہ ہے کہ تکلیف سے غرض اعمال مکلف بہا ہوتے ہین تکلیف خود مقصود
بالذات نہین ہوتی جو یون کہا جاے کہ خدا اپنی بات اور اپنے کام کرنے کیلیے بلا سے بندون سے اسکی تعمیل ہو کہ نہو سو اتنی
بات اگر ہو تو ہم بھی کہتے ہین کہ قطع نظر عمل سے ایسی تکلیف ممکن تو ہے ہی اگر خدا نے ایسا حکم بہیجدیا ہے تو کیا
برا ہو بلکہ یہ مقصود بالذات عمل ہوتا ہے مگر ظاہر ہے کہ عمل اگر محتاج ہے تو قوت عاملہ کا محتاج ہے قوت عاقلہ کا محتاج
نہین جو اسکے سر و مصلحت سے آگاہ نہونا مانع تکلیف ہو سکے البتہ علم عمل کا اتنا ضرور ہے کہ کیونکر کیجیے معہذا خارج
از عقل ہونیکے اگر یہ معنی ہین کہ عامل کی عقل مین اسکے اسرار اور مصالح اور منافع اور علل نہ آئین تو یہ سراسر غلط
ہے اور اگر یہ معنی ہین کہ عقل اسکی مخالفت تجویز کرتی ہے تو اگرچہ اسکے امکان مین کلام نہین ہو سکتی خاصکر ان
لوگون کے مشرب کے موافق جو علت حسن و قبح امر و نہی کے سوا اور کسی صفت ذاتی احکام کو کہتے ہین لیکن واقع مین
خدا کیطرف سے ایسا ہوتا نہین پر اتنا اور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس امر مین ہماری تمہاری عقلون کا اعتبار نہین
وہ عقول جو بفحوای فی قلوبہم مرض امراض روحانی کے باعث اسی طرح فاسد ہوگئے ہون جیسے قوت ذائقہ یرقانی
ہرگز قابل اعتبار نہین اسکے ادراک کیلیے انکی عقل چاہیے جنکے دل بفحوای الا من اتی اللہ بقلب سلیم
امراض روحانی سے ایسی طرح عافیت مین ہین جیسے مرض جسمانی یرقان وغیرہ سے بحالت صحت ہماری آنکھین اور
زبانین بچی ہوئی ہوتی ہین و ہم افعال ماموربہا کے فی نفسہا حسن ہونیکے معنے اور افعال ممنوعہ کے فی نفسہا
قبیح ہونیکے معنی موافق معنے متبادر لفظ فی نفسہا اگر یہ ہین کہ حسن و قبح انکا ذاتی ہوتا ہے تو یہ تو غلط ہے نماز
وقت طلوع و غروب اور روزہ عیدین اور روزے ایام تشریق بالیقین فی حد ذاتہ حسن ہین پر بوجہ اقتران وقت
معلوم قبح عارض ہوگیا ہے علی ہذا القیاس قتال بنی آدم اور خدعہ فی الحرب جسکی تسلیم سے معتقدان قرآن و حدیث کو
چارہ نہین فی حد ذاتہ قبیح ہے پر بوجہ اقتران و انضمام اعلاء کلمۃ اللہ حسن عارض ہو جاتا ہے اور اگر یہ مطلب ہے
کہ افعال ماموربہ مین کچھ نکچھ حسن اور افعال ممنوعہ مین کچھ نکچھ قبح ہوتا ہے کسی قسم کا سہی تو مسلم ہے مگر اس صورت
مین یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ہر قسم مین مامورات مین سے ایک چیز حسن لذاتہ ہے جسکے عروض سے اور امور قابلہ للحسن
ہو جاتے ہین علی ہذا القیاس انواع ممنوعات مین ایک چیز قبیح لذاتہ ہوگی جسکے اقتران سے اور افعال قبیح بالعرض

جس نوع وجنس کا وصف عرضی ہوگا اُسی نوع وجنس کا وصف ذاتی ہونا چاہئے زمین کا نور آفتاب کے نور سے پیدا ہوا ہے آفتاب کی حرارت یا پانی کی رطوبت سے پیدا نہیں ہوتا اس صورت مین ضرور ہے کہ ارادہ انسانی ارادۂ خداوندی کا پرتوہ ہو مگر جیسی حرکت نور زمین یعنی دھوپ کی حرکت آفتاب و حرکت شعاع و نور آفتاب پر موقوف ہے بالاستقلال نہین ایسی ہی حرکت ارادۂ انسانی حرکت ارادۂ خداوندی پر موقوف ہوگی چنانچہ خداوند کریم خود ہی فرماتے ہین وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ سو اگر مجبور ہونے سے مراد یہ توقف ہے اور یا معنے انکا جبر ہے تب تو بلا شبہ یہ انکا غلط اور لغزش عظیم ہے جسکا تدارک بجز توبہ متصور نہین اور اگر یہ مطلب ہے کہ بندہ صاحب اختیار ہے یہ نہین کہ اختیار ہی نہین دیا بلکہ مثل چوب و سنگ جو بظاہر ذوی العقول مین سے نہین اور ارادہ سے بے بہرہ نظر آتے ہین یہ بھی بے بہرہ ہے تو یہ بات بدیہی ہے مگر بدلالت سیاق اور شہادت عبارت سابقہ اس استثناء سے جو یہان سے (مگر اس سے انسان اون قوی کے استعمال الخ) شروع ہوا ہے یہ معنی نکالنے بظاہر دشوار ہین اور اگر یہ غرض ہے کہ انسان کو ارادہ بھی ملا اور بیہودہ ارادہ خدا تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ وہی ارتباط بھی رکھتا ہے جو مینے عرض کیا مگر باینہمہ مثل احجار و اشجار مجبور نہین جو اُسکی طرف بجز انفعال عمل کو انتساب ہے ہو سکے تو یہ مسلم مگر اس صورت مین انکا جواز تکلیف یا خیال عدم جواز ثواب عقاب جیسا بظاہر متوہم ہو سکتا ہے بالکل خیال خام ہوگا کیونکہ اس صورت مین تکلیف تو مثل صیقل آئینہ و غیر آئینہ سمجھی جائیگی جو بعد دعوی قابل العکس ہونے آئینہ اور غیر قابل العکس ہونے سنگ و چوب کے مخالفان دعوی کے لئے تسکین ہو سکتا ہے سو جیسے سنار یا صراف کامل کا کھوٹے کھرے کو کسوٹی پر لگا کر تبلا دینا گاہک صاحب متاع کے دکھلانے اور ساکت کرنے کے لئے ہوتا ہے اپنے اطمینان کے لئے نہین ہوتا ایسے ہی خدا کیطرف سے تکلیف کو بیان فرق مراتب انفعال کے لئے سمجھئے اور امتحانات لیبلوکم ایکم احسن عملا وغیرہ از قسم اتمام حجت سمجھئے از قسم استخبار و استفسار اور ثواب و عقاب کو ایسا سمجھئے جیسا آئینہ کو نظارہ کے لئے پیش نظر رکھیں اور پتھر یا چوب کو سامنے سے ہٹا دین سو جیسے اس رکھنے اور ہٹانے مین ایک کا اعزاز اور دوسری کی تحقیر نکلتی ہے ایسی ہی یہاں ثواب و عقاب کو خدا کیطرف سے بیان فرق مراتب ظہور فعل کے لئے سمجھئے یعنی جیسے آئینہ سے بوجہ انعکاس نور آفتاب جو بعد قبول ظہور مین آتا ہے اور بعد انفعال رنگ کھلاتا ہے ایک صدور نور مذکور اُدھر سے اِدھر کو ہوتا ہے جس سے انتساب فاعلیت درست سمجھا جاتا ہے ایسے ہی یہان بھی قبول ارادہ کے بعد ایک انعکاس ارادہ بھی ہوتا ہے

جاتے ہین اسیطرح تین وتر جتنی دیر اسمین لگتی ہی اُتنی ہی اسمین لیکن اسصورت مین اسباب کی تحقیق
ضرور ہے کہ احکام اصلی کی کیا نشانی ہی اور احکام حفاظت کا کیا پتہ ہے سو ہم سے اگر پوچھیے تو اسکی
تحقیق بقدر مناسب مقام یہ ہے کہ طاعات و ذنوب مین انواع متعددہ ہین پھر ہر نوع مین ایک امر
مقصود بالذات ہے باقی مقصود بالعرض طاعات مین مثلاً ابواب صلوۃ کے اوامر ایک جدی نوع اور ابواب زکوۃ
کے اوامر ایک جدی نوع اور ابواب صوم کے جدے ابواب حج کی جدی نوع اوامر متعلقہ صلوۃ مین صلوۃ
مامور بالذات ہے اور طہارت و جماعت و مراعات صف اول و تکبیر اولی و قرب امام و انتظار جماعت
و رباط مسجد و وضو قبل از وقت وغیرہ مامور بہ بالعرض جنمین سے مراعات صف اول وغیرہ تو بالعرض کے
بھی بالعرض ہین اسلیے کہ مقصود اعظم ان امور سے نگاہداشت جماعت مسجد ہے اور وجہ اس تفریق کی ظاہر
ہے کون نہین جانتا کہ جماعت مین قطع نظر نماز سے کچھ ثواب نہین ورنہ پریٹ و قواعد کے وقت ایک
صف باندھکر کھڑا ہونا بھی منجملہ طاعات سمجھا جاتا علی ہذا القیاس اور امور کو سمجھ لیجیے اور طہارت اگر
بذات خود بھی مطلوب ہے تو بیطلب جدا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الخ سے ثابت ہے لاجرم بوجہ
صلوۃ ہے بذات خود طہارت یہان مطلوب نہین اور ہر ذنوب مین دیکھیے نہی ابواب زنا جدی نوع
ہے اور نہی شراب خواری جدی نوع ہی اور نہی سودخواری جدی نوع ہے علی ہذا القیاس پھر نہی نوع
زنا مین خود زنا بالذات منہی عنہ ہی اسلیے اپنے بیگانے سب سے زنا ممنوع ہی اور بوس و کنار و خلوت وغیرہ
منہی عنہ بالعرض یعنی بوجہ شہوت و اندیشہ زنا ممنوع ہین بذات خود ممنوع نہین ورنہ یہ معاملات مثل زنا
اپنی مان بہن بیٹی وغیرہ سے ہرگز جایز نہوتی بلکہ اُلٹی یہان اور جگہ کی نسبت زیادہ ممانعت ہوتی سو مامور
اور منہی عنہ بالذات کا نام تو ہم مقاصد کہتے ہین اور مامور بہ بالعرض کا نام ہم وسائل و ذرایع اور دواعی
رکھا ہے یہ گذارش کرتے ہین کہ ان دونو قسمون مین تو باہم ایسا ارتباط ہے جیسا چراغ اور آئینہ مین وقت انعکاس نور ہوتا
ہے علاوہ برین ایک اور قسم کے احکام ہین جنسے مقصود مضمون تذلل و تعبد نہین اگرچہ یہان بھی بوجہ طاعت
تعبد لازم آجاتی بلکہ مقصود یہ ہے کہ مرور دہور کے بعد حدود احکام متغیر نہو جائین مثلاً اُن نمازون مین
جنکے بعد سنتین پڑھی جاتی ہین یہ حکم ہوا کہ فرض اور سنت کے بیچ مین فصل زمانی و مکانی کر دینا چاہیے
یعنی کچھ دعا مانگ لی یا ایک دو وظیفہ مسنونہ بعد الصلوۃ مثل آیۃ الکرسی و تحمید و تکبیر پڑھکر دائین بائین

اور وہ ارادہ منعکس مرادات بشری پر اس طرح واقع ہوتا ہی جیسے نور منعکس از آئینہ در و دیوار پر واقع
ہوتا ہے سو یہ اعزاز مذکور اسی فاعلیت کا نتیجہ ہی سنیئے دہم یوں کہنا چاہیئے کہ دین اُن احکام کا نام تو یقینی
ہے جو یقینی ہین اور اُن احکام کا نام ظنی ہی جو ظنی ہین یعنی احکام یقینیہ کو یقیناً دین سمجھنا چاہیئے اور
احکام ظنی کو ظناً کہنا چاہیئے بہرحال اطلاق دین دونون پر چاہیئے پر فرق مراتب علم کے لیئے یقین
و ظن کی قید کا اضافہ ضرور ہے چہارد ہم اس اصل کی موافق احکام کی دو قسم کرکے قسم اول کی پھر دو
قسمین کرنی چاہئین ایک امر و نہی حسن یا قبیح لذاتہ دوسرے امر و نہی حسن یا قبیح لغیرہ سو جو امر و نہی متعلق
بحسن و قبیح لذاتہ ہین وہ تو بیشک موافق فطرۃ ہین نہین تو نہین مگر ہان تاویل کیجیے کہ قسم ثانی بھی
فطرت کے مطابق ہین بالذات نہین بالعرض ہی سہی لیکن اس صورت مین جیسے قسم اول کی تقسیم بیکار ہے
خود تقسیم اول اُس سے زیادہ بیکار ہی اور اُس سے زیادہ بیہودہ اور لغو کیونکہ وہان فرق بالذات و بالعرض
کے دریافت کرنے کے لیئے کچھہ ضرورت تقسیم بھی تھی اور یہان تقسیم اول کی اس صورت مین کچھہ ضرورت ہی نہین
خیر ہرچہ بادا باد آگے دیکھنا چاہیئے یہ جو ارشاد ہی کہ اطاعت و عمل مین دونو برابر ہین اگر اسکے یہ معنی ہین
کہ مراتب حسن و قبول مین سب برابر ہین تب تو غلط ہی ابھی معلوم ہوچکا کہ خود حسن و قبح مین کمی بیشی ہی
ظاہر ہے کہ موصوف بالذات ہمیشہ موصوف بالعرض سے اکمل ہوا کرتا ہے آفتاب نور رانیت مین آئینہ اور در و دیوار
سے زیادہ ہی اور یہ بھی ہی کہ بقدر مراتب حسن و قبح ہی مراتب امر و نہی متفاوت ہونے چاہئین یعنی یہ فرق
فرضیت و وجوب و سنیت و استحباب و حرمت و کراہت تحریمی و کراہت تنزیہی و اباحت اُسی فرق مراتب حسن و
قبح ہی پر متفرع ہونی چاہئین اسلیئے کہ حاکم وہ ایک اللہ تعالیٰ ہی محکوم یہ ایک بندہ ہی عبارت حکم وہ ایک
صیغہ امر و نہی ہی پھر اگر فرق مذکور بھی نہو تو یہ فرق مراتب کہانسے آئے اور یون کہیے ایک وہ جگہ اگر فرق
عبارت سے اس فرق کو ثابت بھی کیجیئے تو اور باقی فرقہائی معلومہ کی کیا سبیل ہوگی با اینہمہ عبارت دربارہ مطلب و
مفہوم مخبر اور مظہر ہوتی ہی علت نہین ہوتی اور علت کی ضرورت ہر حادث کے لیئے ضرور ہے اور اگر یہ مطلب ہے
کہ اطاعت سب کی چاہیئے گو خدا کے یہان کسی مرتبہ مین واقع ہون تو البتہ ایک ٹھکانے کی بات ہے مگر اسکی
یہ معنی ہونگے کہ مراتب وجوب و استحباب وغیرہ مین اگرچہ دونو قسمون مین فرق ہو پر صورت ادا دونو جگہ ایک
ہی ہی جس طرح سے مثلاً چار فرض ادا کیئے جاتے ہین اُسی طرح سے چار سنت جس طرح تین فرض ادا کیئے

تو مصلحت اور غیر مصلحت کو جانتے ہی نہیں اسبات مین اگر لب کشا ہوتی ہین تو علما ہی ہوتے ہین ہان ہر قسم
مین باہم فرق عموم وخصوص ہوتا ہی مگر سید صاحب نے یہ نہ لکھا کہ مصلحت مصطلح عوام کیا ہی اور مصلحت مراد خواص لیا
جو اسباب مین نظر کی جاتی کہ اس انتساب مین بے ادبی لازم آتی ہے یا نہین ہان سچائی کے لفظ سے
معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت مصطلح عوام کچھ ایسا امر ہوتا ہے جسمین دروغ یا دروغگوئی کا انتساب رسول اللہ صلعم
کیطرف ہو جاتا ہے لیکن باین نظر کہ انتساب مذکور کی بھی کئی صورتین ہین اور ہر صورت کا یکسان حکم
نہین منجملہ انکے تعریضات بھی ہین جنکی معنی مطابقی تو مخالف واقع نہین ہوتے مگر اور معنی مرادات منی ان
واقع کیطرف کھینچ لیجاتے ہین پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جنمین سے ہر ایک کا حکم یکسان نہین اور
ہر قسم کے نبی کو معصوم ہونا ضرور نہین اگرچہ ہمارے پیغمبر صلعم سبھی سے محفوظ رہے ہون ہمکو لازم ہوا کہ اسباب
مین ایک تحقیق مختصر بقدر ضرورت لکھی سو سنئیے کہ بعض افعال تو خیر محض باینمعنی ہوتے ہین کہ انکی وضع
کسی امر خیر کے لئے ہوتی ہے سو جیسے آگ احراق وحرارت کے لیے اور پانی رطوبت و ترطیب کے لئے موضوع اور مخلوق
ہوئی ہین ایسی ہی نماز مثلاً تعظیم باری کے لیے موضوع ہوئی ہے جسکے خیریت مین کچھ تامل نہین اور جسمین اصلا
شایبہ شر نہین اور بعض افعال شر محض باینمعنے ہوتے ہین کہ انکی وضع کسی امر شر کے لئے ہوتی ہے سو جیسے قطع اعضا
تخریب بدن اور فساد جسم کے لیے موضوع ہے ایسے ہی ظلم وستم آزار مردم اور زنا حد سے زیادہ بیحیائی کی لیے
موضوع ہوا ہے علی ہذا القیاس اور افعال کو سوچ دیکھیے مگر بعض افعال ایسے ہین جنکی حد ذات اور مرتبہ حقیقت
مین نہ کوئی خوبی ہوتی ہے نہ کوئی برائی لیکن اگر یہ افعال نتیجہ حسن کے وسیلے اور امر خیر کے ذریعہ ہو جاتے ہین تو منجملہ
محاسن سمجھے جاتے ہین اور اگر کسی نتیجہ قبیح کے وسیلے اور امر شر کے ذریعے ہو جاتے ہین تو منجملہ مساوی و ذمایم شمار
کیے جاتے ہین مثلاً رفتار ابصار استماع وغیرہ کہ فی حد ذاتہ یہ امور نہ حسن ہین نہ قبیح البتہ اگر رفتار مثلاً مسجد
کیطرف ہے تو منجملہ طاعات سمجھی جاویگی اور اگر شرابخانہ یا بتکدہ یا چکلے کیطرف ہے تو سیئات مین داخل ہو جاویگی
اور اگر کہین دونو مجتمع ہو جاوینگے تو پھر غلبہ کا لحاظ کیا جائیگا مثلاً اجتماع رجال و نسا مساجد مین اگر موجب حصول
برکات جماعت و مزید ثواب ہے تو اندیشہ فتنہ اور خوف تعلق خاطر یک بدیگرے بھی ساتھ ہی اسکا ہوا ہے اب جس
اگر مکان یا زمان مین جہت اولیٰ غالب ہوگی جیسے زمان برکت توامان حضرت نبی آخر الزمان صلعم بوجہ کمال زہد
صحابہ و صحابیات و غلبۂ ایمان بنا بر روزگار اندیشہ فساد اگر تھا تو موہوم تھا تو ایسے اوقات اور امکنہ مین اجازت

یا آگے پیچھے ہٹ کر سنت مابعد کو پڑھے علی ہذا القیاس قبل رمضان اور بعد رمضان متصل روزہ رکھنے سے ممانعت فرمائی ادہر تاخیر سحور اور تعجیل افطار کی قید لگائی مقصود ان سب سے یہی ہی کہ رفتہ رفتہ حدود خداوندی مین افزائش ہو کر ایسی خرابی حسن صورت مجموعہ احکام اسلام مین نہ آجائے جیسے سیر بھر چاول مین اُنکے اندازہ سے زیادہ گھی مٹھاس ڈالدینے سے خرابی آجاتی ہے یا فرض کیجے کسی کے وجود مین آنکھہ یا ناک وغیرہ اعضا مین سے کوئی عضو اُسکے وجود کے اندازہ سے زیادہ یا کسی انگرکھہ کرتہ وغیرہ مین آستین وغیرہ اجزا معلومہ سے کوئی ٹکڑا اپنے اور اُس کپڑے کے اندازہ سے بڑھکر مجموعہ کی خوبی مین رخنہ انداز ہو جاتا ہی گو قطع اس سے کوئی مقدار اُن اشیا کے لیے معین نہو مگر اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس باب مین اُسی کے رائے معتبر ہی جو اُس حسن خوبی کے ادراک کا حاسہ بھی رکھتا ہو اندہا حسن صورت بنی آدم مین اس قسم کی رائے نہین دیسکتا جسکی زبان نہو وہ کہانون کی خوبی یا غیر خوبی مین لب کشا نہین ہو سکتا سو ظاہر ہے کہ سوائے انبیاء کے اس قسم کی بصیرت جس سے صورت مثالی مجموعہ احکام اسطرح معلوم ہو جائے جسطرح آنکھہ سے ہمین تمہین صورت اجتماعیہ چشم و گوش و بینی و رخسارہ وغیرہ معلوم ہو جاتی ہے عطا نہین ہوئی ہملوگ اس باب مین اندھے ہین اور نیز اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان احکام کا محل وہی احکام ہین جنمین مراعات صورت حاصلہ ہو اور جس جگہ صورت پر نظر ہے نہین فقط معنے ہی مقصود ہین جیسے جہاد مین غرض اصلی اعلاء کلمۃ اللہ ہے دن کو ہو یا رات کو ہو مشرق کیطرف مُنہ ہو یا مغرب کیطرف ہو تیر سے ہو یا بندوق سے ہو سوار ہو کر کیجیے یا پیادہ پا کیجیے تو ایسے احکام مین (جو بہ نسبت احکام سابقہ کے احکام مطلقہ ہین اور وہ انکی نسبت احکام مقیدہ ہین یہ اس نام کے سزاوار ہین اور وہ اس نام کے) احکام محافظت کے مداخلت نہین ہوتی جب یہ بات مقرر ہو چکی تو ہم احکام محافظت کا احکام انتظامی اور احکام محافظت نام رکھکر عرض پرداز ہین کہ ان احکام کو بہ نسبت مقاصد اور وسایل کے ایسی نسبت ہے جیسے چراغ کے لیے فانوس ہنڈیا وغیرہ اور آئینہ کے لیے چوکٹھا وغیرہ کو غرض یہ نہین کہ احکام انتظامی کے سوا تمام احکام فطری ہین بلکہ بعض ذرایع مقاصد سے بُعد مرتبہ کے باعث یا بوجہ خفاء عروض بالعرض ہی مرغوب غیر مرغوب نہین ہوتی ہان اگر وسایل کو بھی منجملہ احکام محافظت کہیے اور وجہ تسمیہ مین تاویلین کریجیے تو البتہ یہ فرق صحیح ہیگا مگر اسصورت مین تصریحات مین اُن باتونکی مراعات ضرور ہو گی جو متفرع علیہ مین ہون یا نزدیک عوام

دینی تو اول حسنات و احسانات دنیوی اور دوم حسنات احسانات اخروی ہی اور تزکیہ تہذیب قلب
بغرض انبعاث محبت رسول اللہ صلعم سے راحت اخروی مین سے ہونگے اور اس تفاوت کی وجہ سے اول کو
ثانی سے کچھہ نسبت نہوگی مشروعیت قتال کفار اور اسکا حسنات مین داخل ہوجانا اسی قسم مین سے ہے
کیونکہ قتال مذکور مثل قطع عضو فاسد جسمین خیرخواہی بدن باقی ظاہر ہی منجملہ رفاہ باقی مخلوقات سمجھا
گیا جب اسقدر آزار مقتولین دفع فساد کیلیے موجب ثواب و مستحسن ٹہیرا تو کذب صریح جسمین کفار کو دہوکا
دینا مدنظر ہو بغرض دفع فساد و اعلاء کلمۃ اللہ کیونکر مستحسن نہوگا اسکا آزار اس آزار سے جس سے بڑھکر کوئی
آزار دنیوی نہین (یعنی قتل) کچھہ نسبت نہین رکھتا جب بغرض مذکور وہ جایز ہوا تو یہ کیونکر نہوگا اور وہ حسنات
مین سے ہوا تو یہ کیونکر نہوگا ہان یہ مسلم ہے کہ دفع فساد قتال مذکور سے حاصل ہوتا ہی اور کذب فی الحرب جو بطور
خدعت کام آتا ہے چنانچہ ارشاد ہے الحرب خدعۃ بغرض سہولت دفع فساد مطلوب ہے اسلیئے تا مقدور کذب
صریح جایز نہوگا تعریضات سے کام لیا جاویگا بلکہ انبیاء کرام اگر تعریضات کو بھی مکروہ سمجھین جیسا کہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے مترشح ہی تو کچھہ عجب نہین ہان جس جگہ دفع فساد خود کذب پر ہی موقوف ہو
جیسا کبھی اصلاح بین الناس مین ہوتا ہے تو پھر یہہ تامل بیجا ہے بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت
باینمعنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہین خالی غلطی سی نہین ہوا سیر تعریضات
جو واقع مین اقسام کذب مین سے نہین ہین تو بلکہ شایہ کذب ہوتے ہین ہرگز مخالف شان نبوت نہین ہوسکتے
علی ہذا القیاس کسی امر مستحب کا اس لحاظ سے ترک کردینا کہ اسمین کوئی فساد عظیم جسکا وزن منفعت استحباب
سے زیادہ ہیگا پیدا ہوگا اگرچہ بظاہر مستلزم ایہام مخالفت واقع ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا کسی بات کو
ترک کرکے ایک انداز کو اختیار کرلینا اس جانب مشیر ہے کہ یہی انداز مستحسن ہے اور امر متروک غیر مستحسن ہے
اور یہ امر بوجہ ایہام مخالف منجملہ دروغ سمجھا جاتا ہے ہرگز مخالف شان نبوت نہین بلکہ موافق شان
نبوت ہے رسول اللہ صلعم کا خانہ کعبہ کو بطور سابق رہنے دینا اور منہدم کرکے بنائے ابراہیمی پر نہ بنانا
اور دہلیز کا زمین سے نہ لگا دینا اور دو دروازے ایک شرقی ایک غربی کا نہ بنانا (حالانکہ آپ کے کلام سے
اس کی جانب رغبت ٹپکتی تھی اور آپ کی رغبت خود ایک دلیل استحباب ہے) فقط اسی وجہ سے
تہا کہ اس منہدم کرنے مین جاہلان امت سے جو اخیر مین بکثرت مسلمان ہو گئے تھے یقین ارتداد

ہوگی بلکہ یہ فعل داخل سلسلۂ محاسن ہوجائیگا اور اگر کسی مان و مکان مین جہت تابعہ قوی نظر آئیگی تو حکم اول منعکس بممانعت ہوجاویگا اور یہ فعل از قسم سیئات سمجہا جاویگا اب سبات کا دیکہنا رہا کہ کذب و تعریض مین اگر قبح ہے تو کس قسم کا ہے ہم دعوی کرتے ہین اور سب اہل عقل انشاء اللہ تعالی تسلیم ہی کرینگے کہ کذب بمعنی گفتار مخالف واقع بذات خود قبیح نہین البتہ بلحاظ فریب یا اعتقاد کی مردم جس سے انکا ضرر متصور ہے یا متیقن ہے قبیح ہوجاتا ہے ہان کذب بمعنی فہم مخالف واقع قبیح لذاتہ ہے جسکو جہل مرکب کہتے ہین اس صورت مین اگر گفتار مخالف واقع کسی موقع مین خالی از مضرت ہوجاے یا اسکے ساتھ بعد خلو از مضرت کوئی منفعت بہی لگ جاوے یا دونو مجتمع ہوجائین تو پہر یہ ممانعت جو کذب مضر کے لیے ہے بحال خود نرہیگی پہلی صورت مین تو بذات خود ایک امر لغو ہوجائیگا گو ایسے لحاظ سے کہ کذب کی عادت رہیگی تو عجب نہین کہ کذب مضر بہی صادر ہو اور اسوجہ سے یہ عادت کذب مضر کی سالک بین سے ہوجاویگی اور بالعرض قبح کذب مضر اُس پر عارض ہوجاویگا منجملہ قبائح شمار کیا جاسکتا ہے جیسا قبح آزار و اضرار مردم سے بالفعل یہ کذب خالی ہوگا اسکی مثال تو ان جہوٹے قصے کہانیون کا مشغلہ سمجہیے اور دوسری صورت یعنی جسمین بعد خلو از مضرت کوئی نفع بہی لاحق ہوجاوے یہ کذب داخل حسنات ہوگا اسمین اگرچہ عاقل کو کچہہ شبہہ نہین ہوسکتا لیکن بہر تسکین مثال بہی معروض ہے رسول اللہ صلعم کا بطور ترغیب یہ ارشاد لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس وکما قال خود اسبات پر شاہد ہے کہ یہ محمود ہے ہان اگر قرینہ مقام سے قطع نظر کیجیے تو یون کہہ سکتے ہین کہ اسمین اگر نفی ہے تو کذب یعنے اسکی قبح کی نفی ہے جس سے اُسکا سیئہ اور معصیت نہونا ثابت ہوتا ہے طاعت ہونا ثابت نہین ہوتا لیکن اسبات کا اگر لحاظ کیا جاوے کہ یہ ارشاد اُس تردد اور توہم کی مدافعت کے لیے ہے جو بوجہ ہن نشین ہوجانے خرابی کذب کے ایسی مصلحتون سے مانع ہوتا ہے جو بیان خلاف واقع پر موقوف ہو تو پہر یہ ارشاد مسوق لاجل الحسن ہی ہوگا اور تیسری صورت مین غلبۂ قوت جہات متعارضہ پر نظر رکہنی چاہیے اگر جہت منفعت غالب ہے تو منجملۂ حسنات اور جہت مضرت غالب ہے تو منجملہ مضرات سمجہا جائیگا پہر اگر منفعت دینی ہے تو حسنات دینی مین شمار کیا جائیگا اور منفعت دنیوی ہے تو حسنات دنیوی مین شمار کیا جاویگا مثلا طعام طلب یا تعلیم علوم دنیوی پر منفعت دنیوی اور راحت دنیوی متفرع ہوتی ہے اور تعلیم و تلقین علوم دین پر

مخالفت تھا سو آپنے سمجھا کہ اس تغیر و تبدیل مین اتنا نفع نہوگا جتنا نقصان ہوگا اس تغیر و
تبدیل مین تو فقط اتنا ہی نفع ہے کہ وقت طواف و دخول خانہ کعبہ سہولت رہیگی اور خانہ کعبہ حالت اصلی پر
آجائیگا اور ظاہر ہے کہ اسمین کچھہ ترقی دین نہین جو انبیاء علیہم السلام کا اول کام ہے ہان نقصان
اتنا کچھہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اس سے زیادہ کوئی نقصان نظر نہین آتا دہ کیا ہے ارتداد جم غفیر
جو بالکل مخالف غرض نبوت ہے اور یہہ مخالفت ہی شدیدہ آنبیا لوگون کے مسلمان کرنے کے لیے آتے
ہین یہان الٹا اور کفر بعد اسلام لازم آتا تھا الغرض انبیاء علیہم السلام کو ان امور مین جو بذات خود
حسن ہون یا قبیح منافع و مضار ہی پر نظر رہتی ہے پھر جیسے مزاج انسانی کی گرم سرد کہنے مین باوجود
ہونے اربع عناصر کے غلبہ عناصر پر نظر ہوتی ہے اسی طرح درصورت تعارض منفعت و مضرت غلبہ کا
اعتبار کیا جاویگا چنانچہ خداوند کریم نے بھی تحلیل و تحریم مین اسی پر نظر فرمائی ہے فرماتے ہین فیہما اثم
کبیر و منافع للناس و اثمہما اکبر من نفعہما ہان کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک شے اکثر مظہر مضرت ہوتی ہے اور
مظہر منفعت فقط گاہ و بیگاہ ہوجاتی ہے جیسے کذب کہ اکثر اس سے مضرت ہی نکلتی ہے علاوہ اسکے کام
غرض کے لیئے موضوع ہوا ہے یعنی اظہار مافی الضمیر مظہر منفعت ہوا مضرت کذب اسکے مخالف واقع
ہوتا ہے تو ایسے مواقع مین اندیشہ مخالفت بنا بر روزگار رہتا ہے اور یہہ مخالفت موجب تنزل دین و
خرابی انتظام دین ہوجاتی ہے اسلیے انبیاء کرام تا مقدور تعریضات سے بھی محترز رہتے ہین اس سے
معلوم ہوا کہ کار پردازان کارخانجات رفاہ کو جنکی درستی ایک عالم کے اجتماع پر موقوف ہو جیسے
مثلاً مدرسۃ العلوم لازم ہے کہ ایسی باتون سے پرہیز کرین کہ عوام اہل اسلام کے تنفر کا باعث ہو
قطع نظر حرمت و کراہت ذاتی کے ایسے شخص کو بہت سے محرمات و مکروہات کے استعمال سے ایسی خرابی
کا دیکھنا پڑیگا جسکے باعث اپنی ابتدا پر نیہ دست برداری و محرومی کا کہٹکا ہے بالجملہ انبیاء علیہم السلام
کے کام مین اگرچہ ریاکاری نہین ہوتی یعنی دنیا کے مقاصد کو پیرایہ دین سے طلب نہین کرتے
پر اسمین بھی شک نہین کہ انکی تدبیرین دانشمندانہ ہوتی ہین جاہلانہ نہین ہوتین سو اگر
اسی مصلحت اندیشی کی تجویز پر اندیشہ کفر ہے تو یہہ تو عین ایمان کی باتون پر کفر کا فتوی دینا ہے

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ ۰